بسم اللہ الرحمن الرحیم

بمسرت جشنِ میلادِ امامِ آخرالزماں ، خلیفۃ الرحمٰن ، خاتمِ ولایتِ مقیدۂ محمدؐیہ امامنا سیدنا

حضرت سید محمد جونپوری مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۔

(سورة هود) 17

ترجمہ :- کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہو۔ اور اس کے پیچھے اس کے رب کی طرف سے گواہ (قرآن) ہو اور اس کے پہلے (کی) کتابِ موسیٰ (توریت) جو امام و رحمت ہے (وہ بھی اس کی) گواہ ہو (کیا وہ اور طالبِ حیاتِ دنیا دونوں برابر ہو جائیں گے؟) وہ لوگ (جو اس وقت مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے ہونگے) اس پر ایمان لائیں گے۔ اور ان جماعتوں میں کا جو شخص اس سے کفر کرے گا۔ پس اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔ پس (اے محمدؐ) تو اِس کے متعلق شبہ میں نہ رہ ! بلاشبہ وہ تو تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔

صَلَاحُ وَاِصۡلَاحُ

از

علامۃ العصر اسعد العلماء حضرت پیر و مرشد مولانا ابو سعید سید محمود صاحب تشریف اللہیؒ

مرتبہ : فقیر الحقیر سراپا تقصیر سید سعید الحق شاہینؔ تشریف اللہی ابنِ حضرت علامہؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ قَائِمٌ بِذَاتِہٖ لِکُلِّ شَئِیٍّ مِّنْہُ الْوُجُوْدُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَدُوْدُ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَاتُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی خَاتِمِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی خَاتِمِ وِلَایَتِہِ الَّذِیْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ خَلِیْفَۃُ الرَّحْمٰنِ سَمِیُّ النَّبِیِّ اَلْمَوْعُوْدُ مُجِیْئُہٗ فِیْ اٰخِرِالزَّمَانِ وَعَلٰی آلِھِمَا وَاَصْحَابِھِمَا اَجْمَعِیْنَ الرَّاشِدِیْنَ ۔ الصَّالِحِیْنَ ھُمْ اَصْحَابُ الْیَقِیْنِ الَّذِیْنَ صَعِدُوْا ذَرْوَۃُ الدِّیْنِ ۔ آمین ۔

ترجمہ :- (حقیقی اور کامل) تعریف " اللہ تعالیٰ " ہی کے لئے ہے جو اپنی ہی ذات سے آپ قائم ہے ۔ ہر چیز کا وجود اُسی سے ہے ، وہ کہ جو " حیّ " (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے) جو " قیوم " (ساری کائنات کو جب تک چاہے قائم رکھنے والا ہے) ۔

اور جو " وَدُوْدُ " (محبت فرمانے والا ہے) " صلوٰت " (درود ہوں) اور " تحیات " (بہت سارے سلام ہوں) مخلوق کے افضل محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو اللہ تعالیٰ کے سارے انبیاء کے خاتم ہوئے ، نیز اُن ہی کی ولایت کے خاتم پر کہ جو اپنے رب کی طرف سے " بینہ " (روشن دلیل) لے کر آئے ، جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نبیؐ کے ہم نام تھے کہ جن کے آخر زمانے میں آنے کا وعدہ فرمایا گیا تھا ، اور آپؐ دونوں کی آل اور اصحابؓ پر بھی جو سب کے سب راشدینؓ اور صالحینؒ تھے ، جو اصحابِ یقین تھے اور جو دین کی بلندی پر فائز تھے ۔ آمین ***

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے لئے دو باتیں لازم فرمائی ہیں ۔ ایک " صلاح " دوسری " اصلاح " ۔ " صلاح " کے یہ معنی ہیں کہ انسان خود ایمان و اخلاق کے نور سے منور ہو جائے ۔ " اصلاح " کے یہ معنی ہیں کہ اُس نور سے انسانوں کو بھی منور کردے ۔ بنیادی بات " صلاح " ہے کیوں کہ جب تک خود منور ، نہ ہو ، منیر نہیں بن سکتا ۔ " صلاح " کے لئے احکامِ دین کا صحیح علم ہونا اور اخلاقِ عادل پر کار بند ہونا ضروری ہے ۔ اخلاقِ عادل کی انتہا " تُخَلِّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ " (اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کا مصداق بننا ہے ۔

حضرت رسول اللہ ﷺ " مظہرِ عشقِ حقیقی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ قرآنِ مجید جو نازل فرمایا، اُس میں بنیادی تعلیم " عشق و محبتِ الٰہی" کی دی گئی ہے۔ جس کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں " اُمُّ الْکِتَابُ" کہا جاتا ہے۔

علم ہے اِبن الکتاب *** عشق ہے اُمّ الکتاب

تدبیرِ شخص، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدَنْ وغیرہ تمام انفرادی و اجتماعی شعبہ ہائے حیاتِ انسانی ہیں۔ عشق و محبتِ الٰہی کا جذبہ موجود نہ رہے تو تمام نظریات و اعمال بے روح قرار دیئے جائینگے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدئے تصورات

اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد وقوعِ قیامت تک بہت طویل زمانہ طئے ہونا ہے۔ اس لئے اُسی خالق و حاکمِ ازلی نے اُمت محمدؐیہ میں اپنے اور دو خلیفوں کی بعثت مقدر فرمائی جو اتباعِ کتاب اللہ و اتباعِ رسول اللہ کی صحیح تعلیم اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کرینگے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے :-

" کَیْفَ تَھْلَکُ اُمَّۃِ اَنَا فِیْ اَوَّلِھَا وَ عِیسٰی فِیْ آخِرِھَا وَالْمَھْدِیُّ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْ وَسَطِھَا " یعنی میری اُمت کس طرح ہلاک ہوگی جب کہ میں اس کے شروع میں ہوں اور عیسیٰ اس کے آخر میں ہیں اور مہدی جو میرے اہلِ بیت سے ہیں اس کے درمیان میں ہونگے۔

اس حدیثِ شریف کو محدثین نے صحیح تسلیم کیا ہے۔اس حدیثِ شریف کے سلسلۂ روایات کو سونے کی زنجیر سے تشبیہ دی ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں عبداللہ بن عباس سے اور کنزالعمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے اور " اشعۃ اللمعات" جلد چہارم میں زرین سے اور مشکوٰۃ میں باختلافِ الفاظ مروی ہے۔اس حدیثِ شریف سے تین امور واضح ہو رہے ہیں ایک یہ کہ امتِ محمدؐیہ میں اللہ تعالیٰ کے دو خلیفے، مبعوث ہونگے۔ دوسرا یہ کہ مہدیٔ موعودؑ اور عیسیٰ علیہاالسلام کا زمانہ ایک نہ ہوگا بلکہ علٰحیدہ علٰحیدہ ہوگا۔ اس حدیثِ شریف کے معارض یعنے مخالف کوئی صحیح حدیث "صحاح" میں موجود نہیں ہے۔ اور یہ دونوں اللہ کے خلیفوں کا ایک زمانہ

میں مبعوث ہونا عقلاً بھی درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تیسرا امر یہ ہے کہ ان دونوں خلیفوں کی بعثت ، امتِ محمدؐیہ کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ہوگی۔ امتِ محمدؐیہ کی ہلاکت نہ صرف احکامِ شریعت کا بلکہ فی الحقیقت تعلیمِ عشق و محبتِ الٰہی کا مسخ یا مفقود ہو جانا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں اللہ کے خلیفے ، اپنے اپنے زمانۂ ظہور میں "ام الکتاب" یعنے قرآنِ مجید کی بنیادی تعلیم ، عشق و محبتِ الٰہی کو بھی از سرِ نو تازہ کرینگے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد احادیث کی کثرت ہو جائے گی۔ دیکھو یہ کہ میری حدیث ، قرآن سے مطابق ہے یا نہیں ۔ اگر مطابق پائی جائے تو اس کا حدیث ہونا قبول کرو۔ ورنہ اس قول کو رد کر دو۔ یعنے یہ سمجھو کہ وہ میرا قول نہیں ہے۔

اس لحاظ سے احادیثِ بعثتِ مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی قرآنِ شریف سے مطابق ہونی چاہیں۔ چونکہ ان احادیث کو علمائے اکابرِ اہلِ سنت نے متواتر المعنی، تسلیم کیا ہے۔ اس لئے ان احادیث کی مطابقت بالقرآن کی ضرورت نہیں رہی۔ کیوں کہ محدثین نے احادیثِ متواترہ کو قرآن سے مطابق کرنے کی عدم ضرورت ، اُصولِ حدیث میں واضح کردی ہے۔ تاہم احادیثِ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ میں مطابقت بالقرآن بھی موجود ہے۔

قرآنِ مجید کی جن آیات میں اُمتِ محمدؐیہ میں ایک شخص کے مبعوث ہونے اور اُس کی خصوصیات کے بارے میں جو اشارات پائے جاتے ہیں ، اُن سے مہدی ءِ موعودؑ ہی کی بعثت مراد ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُس مبعوث ہونے والے شخص کا "مہدی" کے لقب سے ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے لقب "مہدی" کی صراحت صرف کلامِ رسولؐ میں پائی جاتی ہے ، کلام اللہ میں نہیں پائی جاتی۔

بعض آیات میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ شخص ، کس لئے مبعوث ہوگا۔ اس کے مراتب و خصوصیات کیا ہونگے؟ کیا تعلیم دے گا وغیرہ ، چنانچہ بعض خصوصیات ، ذیل کی آیۂ شریفہ سے ظاہر ہیں۔

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ز یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ "
(سورۃ المآئدہ) 54

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم میں کے جب دین سے پھر جانے لگو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کے لوگوں سے اللہ محبت رکھتا ہے، اور وہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور وہ مومنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے، اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ وسعت دینے والا علیم ہے۔

اس آیۂ شریفہ میں مستقبل کے صیغے اس بات پر صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ قوم امتِ محمدیہ میں آئیندہ پیدا ہوگی۔ جو اصحاب حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نزولِ آیت کے وقت موجود تھے، مراد نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے صاحبِ تفسیر نیشا پوریؒ نے اس آئیہ شریفہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سے مہدیؑ کی قوم مراد ہونا ممکن ہے۔

اس آئیہ شریفہ کی تفصیلی تفسیر کا یہ محل نہیں ہے۔ غرض قرآنِ مجید اور اس سے پہلے کی کتبِ الٰہیہ کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ " فَسَوفَ یَاتِی اللّٰہُ بِقَومٍ " سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ اس قوم کو لائے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر موقعوں پر جہاں اپنے کسی خلیفہ کے ظہور کا یا کسی خلیفہ کے کسی فعل کا ذکر مقصود ہو تو اپنے ظہور اور اپنے فعل کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

" وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ"(سورۃ الانفال) 17

یعنے اے رسولؐ جس وقت تم نے کنکریاں پھینکیں تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں۔

اور مثلاً بعض انبیاء اور حضرت رسول اللہ کی بعثت کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے :-

" فقال جاءالرب من سیناو اشرق لھم من سعیرویلا تلاء من جبل فاران واتی من ربوات القدس و عن یمینہ نار شریعۃ لھم (مفرالیشہ اصحاح)"

ترجمہ :- پس میں نے کہا کہ پروردگار سینا سے آیا اور اُن کے لئے سعیر سے روشن ہوا اور کوہ فاران سے چمکا اور آیا دس ہزار قدسیوں یعنے فرشتوں کے ساتھ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔

اس پیشین گوئی میں سینا سے خدا کے تجلی کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور فاران پر خدا کے ظاہر ہونے سے حضرت رسول اللہ ﷺ کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ بنی ہاشم کے پہاڑ جو مکہ کے قریب ہیں ان کا نام فاران ہے۔ دس ہزار فرشتوں کا ساتھ رہنا جو مذکور ہے

اس سے مراد مقدس انسان ہیں۔چونکہ حضرت محمد ﷺ کے ظہور کو خدائے تعالیٰ نے اپنا ظہور فرمایا ہے۔ اس لئے حضرت محمد ﷺ کے اصحابؓ کو فرشتوں سے تشبیہ دی ہے اسی طرح "اللہ ایک قوم کو لائے گا" کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کا خلیفہ لائے گا۔ جس کا حضرت رسول اللہ ﷺ نے "مہدی" کے لقب سے ذکر فرمایا ہے۔

آئیہ "فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ" میں "فَسَوْفَ" کے لفظ سے ایک نکتہ یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ "مہدی" اس "قوم" کو عنقریب لائے گا۔ کیونکہ "سَوْفَ" مستقبل ہی کے مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ "مہدی" قریب میں ایک قوم کو لائے گا تو اس کے برخلاف یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وقوعِ قیامت کے زمانہ میں لائے گا!!!

یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسی صحیح حدیث بھی "صحاح" میں موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوکہ "مہدیؑ" و "عیسیٰؑ" ایک زمانہ میں ہونگے۔ اور ایک دوسرے کی اقتداء کرینگے وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے علیٰحیدہ ہونے پر اشارۃً النصِ قرآنی بھی موجود ہے۔ جس سے حدیثِ شریف "کَیْفَ تَھْلَکُ اُمَّۃِ۔الخ" کی تطبیق بالقرآن بھی ہو رہی ہے۔ نیز اسی آئیہ شریفہ سے یہ "اشارۃالنص قرآنی" بھی ثابت ہوتا ہے کہ "مہدیؑ" جب مبعوث ہونگے تو ام الکتاب یعنے قرآنِ مجید کی بنیادی و خاص تعلیم "عشق و محبتِ الٰہی" کو از سرِ نو تازہ کرینگے۔ اسی لئے اس قوم کی خصوصیت "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" خاص طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔ اس قوم کا ارفع و علیٰ اعزاز یہ ہے کی اس آئیہ شریفہ میں "یُحِبُّھُمْ" پہلے ہے اور "یُحِبُّوْنَہٗ" بعد میں ۔۔ نیز ایک اور نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ "مہدیؑ" اپنی "اولاد و آل" کو لائے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "مہدیؑ" ایک قوم کو لائے گا"۔ اس لئے عشق و محبتِ الٰہی کی خصوصیت کسی ایک خاندان یا کسی ایک قبیلہ سے مخصوص نہیں کی جاسکتی بلکہ جس کسی پر خدا کا فضل ہو قومِ مہدیؑ میں شامل ہوگا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے کہ امامنا علیہ السلام کے اہلِ بیت کو اور اُن کی اولاد کو بھی بدرجۂ اتم حاصل ہوا۔

حاصلِ کلام یہ کہ امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی صداقتِ دعوئے مہدیت کی بنیادی دلیل مذکورۃالصدر "اشارۃالنصِ قرآنی" کی مطابقت بھی ہے۔!!! کیونکہ آپؑ نے اپنی قوم کو عشق و محبتِ الٰہی اور اس کے لوازم کی خاص طور پر تعلیم دی ہے۔ اور اس کو اختیار کرنا، ہر مرد و عورت کے لئے خدا کے حکم سے فرض قرار دیا ہے۔ ترکِ دنیا، طلبِ دیدارِ خدا، ذکر اللہ، توکل، صحبتِ صادقاں، ہجرت و عزلت یہ سب عشق کے لوازم ہیں جو کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ سے ثابت ہیں۔

اسی لئے ان صحابہؓ کو آپؐ نے اصحابِ صفہؓ، سے تشبیہ دی چنانچہ فرمایاکہ :-

اصحاب صفہؓ قومِ محمد مصطفیٰ ﷺ که مشہور بدیں نام نو موصوف بدیں صفات بودند۔ و گروہِ مہدی نیز موصوف بدیں صفات اللہ۔

ترجمہ :- یعنے محمد ﷺ کی قوم (جماعت) جوکہ اصحابِ صفہؓ کے نام سے مشہور تھی اور جن صفاتِ (عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم) سے موصوف تھی، قومِ مہدیؑ بھی انہی صفات سے موصوف ہے۔

(اصحابِ صفہؓ میں عشق و محبتِ الٰہی کی جو خصوصیات تھیں احادیثِ شریفہ سے ظاہر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بھی اُن اصحابؓ کا اور اُن کی خصوصیات کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

" لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَايَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً ط (سورة البقره) 273

ترجمہ :- ان فقراء کے لئے جو اللہ کے راستے میں محصور ہیں زمین (دنیا) میں (کمانے کے لئے) چل پھر نہیں سکتے ان کے سوال نہ کرنے کے سبب، جاہل، ان کو غنی سمجھتا ہے۔ تو اُن کو اُن کی پیشانیوں سے پہچان لے گا۔ وہ فقراء کسی سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے (بھیک نہیں مانگتے)

غرض صحابہؓ مہدی ءِ موعودؑ میں "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَه" کی خصوصیات اور شیون فنائے ذات وصفات، بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اس لئے "فَسَوْفَ يَاْتِي اللهُ بِقَوْمٍ" کا اولین مصداق یہی جماعت ہے۔

اس مختصر بحث سے ظاہر ہے کہ "قومِ مہدی" فی الحقیقت، "امت ہادیِ برحق" ہے۔ اس کا فرض ہے کہ نورِ ایمان و تقویٰ سے منور ہو اور دوسروں کو اس روشنی سے منور کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مخاطب کرکے فرمایا ہے :-

" يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص "

(سورة اٰل عمران) 102-103

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور مرو تو مسلمانی کی حالت میں مرو۔ اور سب مل کر اللہ کی ڈوری مضبوطی سے تھام لو۔ اور متفرق نہ ہو جاوَ۔

اس آئیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر مومن کے لئے ایمان وتقویٰ کے نور سے منور ہونے اور اتحاد و اتفاق اختیار کرنے کی خاص طور پر تاکیداً، ہدایت فرمائی ہے۔

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط" (آل عمران) 110

ترجمہ :- تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

نیز فرمایا :-

" وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔۔الخ (سورۃ التوبہ)71

ترجمہ :- مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

" وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ التوبہ)88

ترجمہ :- وہ سب فلاح پانے والے ہیں۔

نیز فرمایا :-

"يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَاالنَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ۞"(سورۃ التحریم) 6

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جس پر تند خو سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں اللہ کے احکام کی نافرمانی مطلق نہیں کرتے اور جو حکم اُن کو ملتا ہے وہ برابر بجا لاتے ہیں۔

پہلی آئیہ شریفہ سے ظاہر ہے کہ " اُمتِ محمدیہ " تمام دنیا کے انسانوں اور اُن کی جماعتوں سے بہتر ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اَمَرْبِالْمَعْرُوْفِ وَنَہِی عَنِ الْمُنْكَرْ " کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ بعد کی مندرجہ آیاتِ شریفہ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر مومن مرد بلکہ

ہر مومن عورت کا بھی فرض ہے کہ خود نورِ ایمان وتقویٰ سے منور ہو ، اور دوسرے انسانوں کو بھی اس سے منور کرے۔

اس مضمون کی کئی احادیثِ شریفہ بھی موجود ہیں۔چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

" اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ، تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو بدی سے روکو۔ اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کرے گا۔ جس طرح بنی اسرائیل پر کیا"۔

نیز فرمایا :-

" تم میں سے کوئی بدی کو دیکھے تو لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر قوت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے ۔ اس کی بھی قوت نہ ہو تو کم ازکم دل میں تو برا سمجھے " ۔

اس پیغمبرانہ فرمانِ واجب الادغان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ ہر مومن کا نورِ ایمان وتقویٰ سے منور ہوجانا ممکن ہے۔ لیکن ہر مومن میں دوسروں کو اس نور سے منور کرنے کی کامل استعداد وصلاحیت وخصوصیات موجود ہونا، ممکن نہیں ۔کیوں کہ دوسروں پر تبلیغِ ایمان وتقویٰ کے لئے علومِ دینہ وغیرہ جن لوازم کی ضرورت ہے وہ ہر مومن میں پائی جانا ممکن نہیں ہے۔اسی لئے سرور کائناتؐ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی قوتِ اصلہ اور اپنے اپنے علم و مراتب و مقاماتِ دین کی حد میں یہ فرض ادا کرے ۔

" اپنے ہاتھ سے بدل دینے کا تعلق طاقت وقدرت سے ہے۔ اور طاقت وقدرت کا تعلق حکومت سے۔ لیکن اس کا انحصار صرف اقتدارِ حکومتِ اسلامیہ ہی پر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ جس جس کو جس حد تک حکومت حاصل ہے ، اسی حد میں اس فرض کو انجام دے۔ مثلاً باپ اور ماں کو اولاد پر۔ شوہر کو بیوی پر۔ اور ہر بڑے کو چھوٹے پر حکومت حاصل ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے ماتحت افراد کو دین کا پابند بنائے۔ اللہ کی محبت ، نماز ، روزہ وغیرہ اُمور ، کی ہدایت کرے برائیوں سے روکے۔ غرض کوئی مومن " اصلاح " سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

موم بتی ، چراغ ، مشعل ، بجلی کا بلب ، چاند اور سورج ، ان سب پر منیر ہونے کا اطلاق تو ہوسکتا ہے کیوں کہ یہ سب چیزیں روشنی دینے کی استعداد رکھتی ہیں ۔مگر ان میں قوتِ تنویر کینڈل پاور (**Candle Power**) کا فرق ضرور رہتا ہے ۔

اسی طرح مومن ایک یا چند انسانوں کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کردے یا ایک جماعت یا ایک قوم یا ایک ملک میں دعوت الی الخیر پھیلا دے یا ساری دنیا کو نیکی کی طرف بلائے۔ بدی و منکرات جہاں ہوں ، ان کے استیصال کے لئے اقدام کرے۔ اپنے آپ کو کسی برادری ، کسی خاص جماعت ، یا خاص ملک کے لئے محدود نہ سمجھے۔ یہ سب امور اپنے اپنے مدارجِ ایمان و تقویٰ سے اور تبلیغ کی صلاحیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

عشق و محبتِ الٰہی اور اس کے لوازم اور علم لدنی کی بھی یہی صورت ہے۔ اسی لئے امامنا علیہ السلام نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت سنار کی انگھیٹی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ کویلے کے بعض ٹکڑے پوری طرح سلگ گئے ہیں ، بعض ادھورے ہیں اور بعض کو صرف گرمی پہنچی ہے۔

غرض خدا اور خاتمینؑ کا مطالبہ ہر مومن سے یہی ہے کہ وہ حسبِ استعداد ، دوسروں کو بھی نورِ ایمان و تقویٰ سے منور کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ کسی کے ہدایت حاصل کرنے یا نہ کرنے کو خاطر میں نہ لائے کیوں کہ انبیاء علیہم السلام اور خاتم الاولیاء علیہا السلام کو اللہ تعالٰی نے فرمادیا تھا کہ آپ کا کام صرف ہمارے احکام پہنچا دینا ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا کرنا ہمارا کام ہے۔ اس لئے عام خاص یا خاص الخاص مومنین کے لئے بھی ہر ایک انسان کی ہدایت حاصل کرنے پر مجبور کردینا ممکن نہیں ۔ صرف تبلیغِ احکام فرض ہے۔ مگر اس کا حق صرف دین و مذہب سے دلی وابستگی ، محبت اور جان نثاری سے ادا ہو سکتا ہے۔

اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ ہر مومن کے لئے " صلاح و اصلاح " پر کار بند ہونا ضروری ہے۔ قومِ مسلم کو جب اللہ تعالٰی نے " خیرامۃ " فرمایا ہے ۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صفت سے متصف گردانا ہے تو وہ خاص قوم جس کو اللہ تعالٰی نے اس " خیرامۃ " کو ہلاکت سے بچانے والے مہدی موعود صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم کے ساتھ حسبِ وعدۂ قرآنی پیدا فرمایا ، ضرور " خیرامۃ " کا مصداق ہے۔ اس لئے " صلاح " کے ساتھ ساتھ " اصلاح " بھی پوری قومِ مہدیِ موعود کی ذمہ دار ہے۔

اللہ تعالٰی نے ایک اور مقام پر قرآنِ مجید میں فرمایا ہے۔

" وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط " (سورة اٰل عمران) 104

ترجمہ :- تم میں ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے۔

اس آیۂ شریفہ میں "خیرامۃ" سے چند افراد مراد ہیں ۔ کیونکہ "خیرامۃ" میں مریض بھی ہیں ، معذور بھی ہیں ، امی بھی ہیں ۔ تبلیغِ احکام کے لوازم ہر ایک میں موجود نہیں رہ سکتے ۔ اور خلیفۃ اللہ کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا "خیرامۃ" میں تنزل و انحطاط بڑھتا جائے گا ۔ اس لئے کم ازکم ایسے لوگوں کا تو ہونا ضروری ہے جو احکامِ شرعیہ اور عشق و محبتِ الٰہی اور اس کے لوازم سے مشرف کرسکیں ، نیکی کی دعوت دے سکیں برائیوں سے روک سکیں ۔ اسی لئے حکیمِ ازلی نے اس آیۂ شریفہ میں کم ازکم "خیرامۃ" میں ایسے چند لوگوں کی ضرورت بھی واضح فرمادی ہے ۔ تاکہ احکامِ شریعت اور تعلیمِ عشق و محبتِ الٰہی کا فیض جاری رہ سکے ۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کم ازکم ایسے چند لوگ بھی نہ رہیں تو عذابِ الٰہی اور ہلاکت و تباہی لازم ہوجائے گی ۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :-

"جو لوگ اپنے رسول کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیئے کہ کسی فتنہ یا عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں" ۔

نیز فرماتا ہے :- "تم سے پہلے کی قوموں میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے ۔ اُن میں سے ایسے لوگ اگر تھے بھی تو وہ بہت کم تھے ۔ اُن کو ہم نے نجات دیدی ۔ باقی رہے ظالم لوگ تو وہ مجرم تھے اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو اُن کو دی گئی تھیں ۔ تو اے نبیؐ ! تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو یوں ہی ظلم سے ہلاک کردے ۔ درآنحالیکہ وہاں کے باشندے نیک کام کرنے والے ہوں ۔"

اس مضمون کی کئی احادیثِ شریفہ ہیں ۔

ایک دعوت محدود ہوتی ہے اور ایک دعوتِ عام ۔ عام دعوت کا اہتمام "تصنیف و تالیف ، ترجمہ و تشریح ، وعظ و بیانِ قرآن ، ارشاد و ہدایت کرنے اور بیعت لینے سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ کام علماء و مرشدینِ کرام کے ذریعہ انجام پاتا ہے ۔

اس لئے "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" یعنے تم میں سے ایسی جماعت "يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں "وَيَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں "وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" سے منع کرے ۔

آیہ شریفہ کا اولین مصداق دورِ ولایت میں خیرالقرون یعنے صحابہ رضی اللہ عنہم ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے بعد مرشدینِ کرام ہیں ۔ کیوں کہ حصولِ مدعائے حضرت مہدی علیہ السلام کے لئے آپؑ ہی کا قائم کردہ طریقِ بیعت ، جو دین کی بنیادی ضروریات میں

داخل ہے ، مرشدینِ کرام ہی سے تعلق رکھتا ہے ۔ !!!!

محدود ، دعوت ، جیسے کہ مومنین میں باپ اور ماں کی دعوت اولاد کے لئے ،شوہر کی بیوی کے لئے ، استاد کی شاگرد کے لئے ۔ ہر بڑے کی چھوٹے کے لئے ، اور ہر دوست کی اپنے دوست کے لئے ۔ نماز ، روزہ طلبِ دیدارِ خدا ، ذکر اللہ وغیرہ فرائضِ نبوت اور فرائضِ ولایت اور اعمالِ صالحہ کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے ۔ یہ دعوت ہر مومن پر فرض ہے ۔ کوئی مومن اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا ۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر مومنین کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں ، اُن میں " امر بالمعروف و نہی عن المنکر " کی خصوصیت بھی واضح فرمادی ہے ۔

" اَلتَّآئِبُوْنَ اَلْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِاللّٰهِ ط (سورة التوبه)112

ترجمہ :- (مومنین) توبہ کرنے والے ، عبادت کرنے والے ، خدا کی حمد کرنے والے ، خدا کی راہ میں سفر کرنے والے ، رکوع و سجود کرنے والے ، نیکی کا حکم دینے والے ، اور برائی سے روکنے والے ، اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔

اس آیہ شریفہ سے بھی یہی ثابت ہورہا ہے کہ ، " امر بالمعروف اور نہی عن المنکر " ہر مومن کی خصوصیات میں داخل ہے ۔ اس کے لئے عملِ بااخلاص ضروری ہے ۔ اسی لئے " صلاح " پہلے ہے " اصلاح " بعد ۔ !!!!

اب رہا تاثیرِ تبلیغ کا سوال ۔ اس بارے میں اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ " تبلیغ " فرض ہے ۔ تاثیرِ تبلیغ ، خدائے تعالٰی کے اختیار میں ہے ۔ کیوں کہ قبولیتِ ہدایت کے لئے جس استعداد کی ضرورت ہے وہ استعداد ، عطائے الٰہی ہوتی ہے اللہ تعالٰی جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۔

ایک قوت اثر کرنے والی ہوتی ہے اور ایک قوت اثر قبول کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ " مقناطیس " میں قوتِ جاذبہ موجود ہوتی ہے ۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ اگر کوئی نادانی سے انکار کرے تو " مقناطیس " کے ٹکڑے کی قوتِ جاذبہ کے تناسب سے لوہے کا ٹکڑا " مقناطیس " کے سامنے رکھ کر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ مقناطیس میں قوتِ جاذبہ موجود ہے ۔ لیکن " پتھر " یا " لکڑی " یا اور کوئی چیز جس پر مقناطیس کا اثر نہ ہوسکتا ہو ، پیش کرکے مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کو ثابت کرنا ، محال ہوجائے گا ۔ !!!

اس سے معلوم ہوا کہ مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کا عمل، لوہے پر ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ لوہے میں بھی مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کو قبول کرنے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ جن چیزوں میں یہ استعداد ہوگی انہی پر مقناطیس کا عمل موثر ہو سکے گا۔

یہی صورت، قبولیتِ دعوتِ ایمان کی بھی ہے۔ جب تک کسی انسان کو قبولیتِ دعوتِ ایمان کی توفیق عطا نہ ہو، تبلیغ و دعوت اثر نہیں کرسکتی۔ اس "توفیق" کو بالفاظِ دیگر "عقلِ نوری" کہا جاسکتا ہے۔ اسی لئے آج بھی دنیا میں "نورِ عقل" رکھنے والے بڑے بڑے سائنس داں، مشہور و معروف علمائے علوم و فنونِ دنیاوی اور سیاست داں و صناع موجود ہیں۔ شعبہ ہائے حیاتِ انسانی کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے "محیر العقول" ایجادات کا سلسلہ روز بروز جاری ہے۔ حتیٰ کہ "نورِ عقل" رکھنے والا یہ انسان نہ صرف خلاء میں، زمین کے اطراف بے خوف و خطر گردش کرنے کے قابل ہوگیا ہے، بلکہ چاند وغیرہ سیاروں پر بھی پہنچنے کی کوشش میں مشغول و منہمک ہے۔ اس مادّی دنیا میں "نورِ عقل" کے زیادہ سے زیادہ محیر العقول مظاہرے ہو رہے ہیں۔

لیکن اُن باکمال انسانوں کا "نورِ عقل" قبولیتِ دعوتِ ایمان سے محض اس لئے محروم ہے کہ توفیقِ ایزدی یعنے، "عقلِ نوری" اُن کو نصیب نہیں ہے۔ اس سے بداہتہً ثابت ہورہا ہے کہ "توفیقِ الٰہی" یعنے "عقلِ نوری" کے بغیر قبولیتِ دعوتِ ایمان ممکن نہیں۔!!!!

"عقلِ نوری" کی شان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ایمان و اسلام کے ابتدائی مدارج پر ہی نہیں بلکہ نبوت، ولایت اور فنائیت کے انتہائی مقامات و مراتب پر بھی انسان فائز ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے انسان "نبی" ہوا ہے "ولی" ہوا ہے۔ مافوق الفطرت قوتوں کا مالک بنایا گیا۔ معجزات و کرامات کا اس سے ظہور ہوا۔ سر فلک الافلاک پر آگاہ کیا گیا ہے۔ سیرِ نبوت اور سیرِ ولایت حاصل ہوتی ہے۔ انوار و تجلیاتِ الٰہی کے دیدار سے مشرف کیا جاتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ "ایمان" کی ابتداء بھی "عقلِ نوری" سے ہوتی ہے، انتہا بھی "عقلِ نوری" سے ہوتی ہے۔

صرف "نورِ عقل" رکھنے والا بڑے سے بڑا صاحبِ کمال انسان، "عقلِ نوری" سے مشرف باخدا انسان کی برابری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ مالک و محسنِ حقیقی کا "حقِ احسان" ادا کرنے کے شرفِ انسانیت سے محروم ہوتا ہے۔!!!

غرض کسی انسان کو "توفیقِ ایزدی" یعنے "عقلِ نور" عطا نہ ہو تو اُس پر کسی مومن کی یا عالمِ دین یا مرشد راہِ لقائے رب کی ہدایت کا اثر نہیں ہوسکتا بلکہ نبی یا رسول حتیٰ کہ خاتم الانبیاء و خاتم الاولیاء علیہم السلام کی ہدایت کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

" ابوجہل " کی حالت پر غور کیجئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کا چچا تھا۔ آپؐ کے مبارک عہدِ طفلی کے مافوق البشر فضائلِ خصائل سے واقف تھا۔ مجنون اور فاترالعقل بھی نہیں ہوگیا تھا۔ سب عقلمند انسانوں کی طرح وہ بھی عقل رکھتا تھا۔ شرفائے عرب اور خاندانِ قریش کی خصوصیات اُس میں موجود تھیں۔ وقیع تھا دلیر تھا غنی تھا سب کچھ تھا مگر عصبیتِ جاہلیہ کی وجہ سے خدا کی " توفیق " یعنے " عقلِ نوری " سے محروم تھا اس لئے دولتِ ایمان کا ایک ذرہ بھی اس کو نصیب نہ ہوسکا۔ بلکہ جہالت اور ضد و عار نے اُس کو معتوب و مقہورِ خدا و رسولؐ بنادیا۔

اِسی طرح خاتم الاولیاء، حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے اپنی تاثیرِ تبلیغ کے بارے میں واضح فرمایا تھا کہ :-

" یک نظرِ بندہ بہتر از عبادتِ ہزار سالہ مقبولہ " یعنے بندہ کی ایک نظر ہزار سالہ مقبولہ عبادت سے بہتر ہے۔

اس لئے کہ آپؑ کی تاثیرِ نظرِ مبارک سے مقصودِ عبادت یعنے دیدارِ خدا کا شرف حاصل ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے آپؑ کی نظرِ مبارک میں اِس درجہ تاثیر عطا ہونے کے باوجود چند لاکھ انسانوں نے آپؑ کی دعوتِ تبلیغ کو قبول کرنے کا شرف حاصل کیاحالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپؑ نے جونپور سے ہجرت فرما کر ہندوستان اور موجودہ پاکستان کے کئی مقامات کا اور حج کا سفر فرمایا۔ فراخ مبارک علاقہِ خراسان (افغانستان)تک پہنچے۔ اتنے طویل تبلیغی سفر کی مثال تاریخِ انبیاء میں نہ مل سکے گی۔ ہزاروں ، لاکھوں انسانوں پر آپؑ کی نظرِ مبارک پڑ رہی تھی ، مگر وہی انسان ، جن کو اللہ تعالٰی کی طرف سے توفیق جس درجہ عطا ہوئی تھی اُسی حد تک آپؑ کی نظرِ مبارک کی تاثیر سے مشرف ہو رہے تھے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ بھی انسان تھے۔ لیکن آپؓ کو جو توفیق و استعداد اور جو عقلِ نوری عطا ہوئی تھی اس کی وجہ سے جب کہ پہلی دفعہ آپ مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے دربارِ گہربار میں حاضر ہوئے تو مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی نظرِ مبارک پڑتے ہی اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے رویتِ مطلقہ یعنے فنائے تام کا شرف حاصل ہوگیا۔ ملاحظہ ہو کہ مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی تاثیرِ نظرِ مبارک کا بندگی میاںؓ کی ذاتِ اعلٰی صفات میں خدا داد قابلیت کی وجہ سے اس درجہ ظہور ہوا !!!

اور " تصدیقِ بندہ بینائیِ خدا " فرمانِ مہدی علیہ السلام کی شان بدرجۂ اتم جلوہ گر ہوگئی۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی دعوتِ تبلیغ کی ایک اور روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

جو لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ حدیث میں مہدی ءِ موعودؑ کی شان میں " یَمْلَا اْلاَرْضِ قِسْطًا وَّ عَدْلاً " (مہدیؑ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا) آیا ہے آپؑ کے زمانہ میں ایسا ہونے نہیں پایا۔آپؑ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ایسی ہی قوت عطا فرمائی ہے کہ پوری دنیا کے انسانوں کو عدل وانصاف سے مشرف کردے۔ پھر آپؑ نے ندی کے کنارے ایک برہمن کو جو کہ غسل سے فارغ ہوکر جارہا تھا آواز دے کر طلب فرمایا وہ حاضر ہوا۔ آپؑ نے حکم دیا زنار توڑ دو۔ اس نے زنار توڑ دیا۔ فرمایا کلمہ پڑھو اُس نے حسبِ ہدایت کلمہ پڑھا۔ پھر آپؑ نے اپنے مہدی ءِ موعود ہونے کی تصدیق کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے تصدیق قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔

آپؑ نے فرمایا، دیکھو! بندہ کو خدائے تعالیٰ نے ایسی قوت و قدرت عطا فرمائی ہے لیکن مشیتِ ایزدی یہ ہے کہ بندہ صرف خدا کے حکم سے اپنے مہدی ءِ موعودؑ ہونے کا اعلان کرے۔ توفیقِ قبولیت خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اِسی لئے حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے ہزار مہینوں سے بہتر برکاتِ عظمیٰ والی لیلۃ القدر کے موقع پر دوگانۂ شکرانہ ادا کرنے کے بعد جو دعائیں پڑھی ہیں، اُن میں یہ دعاء بھی ہے :-

" اَللّٰھُمَّ صَغِّرِالدُّنْیَا بِاَعْیُنِنَا وَعَظِّمْ جَلَالَکَ فِیْ قُلُوْبِنَا وَ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِکَ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰی دِیْنِکَ وَ طَاعَتِکَ وَ مُحَبَّتِکَ وَ شَوْقِکَ وَعِشْقِکَ بِفَضْلِکَ وَ کَرَمِکَ یَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ "

ترجمہ :- اے اللہ ! اے اکرم الاکرمین! اے ارحم الراحمین تو اپنے فضل وکرم اور رحمت سے دنیا کو ہماری نظروں میں حقیر بنادے اور ہمارے دلوں میں تیرے جلال کی عظمت قائم فرمادے اور تیری خوشنودیاں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما ! اور تیرے دین پر، تیری اطاعت پر، تیری محبت پر، اور تیرے شوق و عشق پر ہم کو ثابت قدمی عطا فرما۔

نیز یہ قرآنی دعاء بھی پڑھی :-

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَ ھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝" (سورۃ اٰل عمران)8

ترجمہ :- اے ہمارے رب ہم کو ہدایت کے راستہ پر لگا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو پھیر نہ دے۔ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت

"اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ" کو آپؑ نے تین مرتبہ دہرایا ہے۔

اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہورہی ہے کہ جو لوگ ایمان لا چکے۔ ان کو بھی خدائے تعالٰی سے نہایت ہی خوف وخشیت کے ساتھ التجا کرتے رہنا چاہیئے کہ ایمان پر ثابت قدمی اور مدارجِ ایمان، زیادہ سے زیادہ حاصل کرنیکی توفیق عطا ہو۔!!!

اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ انبیاء و خلفائے الٰہی کے ذمہ بھی صرف احکام سنانا تھا۔کیونکہ قبولیتِ دعوتِ ایمان کی توفیق عطا کرنا خدائے تعالٰی کے اختیار میں ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو صاف طور پر فرمایا :-

" اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ۝ "(سورۃ القصص)56

ترجمہ :- (اے محمدؐ) بے شک تم جس کو دوست رکھتے ہیں اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

نیز فرمایا :-

" وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّهُمۡ جَمِیۡعًا ط"(سورۃ یونس) 99

ترجمہ :-اگر تمہارا رب چاہتا تو جو لوگ زمین (دنیا) میں ہیں وہ سب کے سب ایمان لاتے۔

نیز فرمایا :-

" وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔۔الخ "(سورۃ ھود) 118 "

ترجمہ :-اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔

جب انبیاء و خلفائے الٰہی جو معصوم عن الخطا تھے اُن کے فرائض میں ہر انسان کو ایمان و ہدایت سے مشرف کردینا مقدر نہیں تھا، تو عام مومنین، خاص یا خاص الخاص مومنین اور علماء و مرشدینِ کرام سے بھی کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔؟

البتہ ان سب میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق صلاح و اصلاح کا فرض ادا کرے۔

" حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :-

" عقل کا نور ، عقلمند کو اللہ کے وجود و توحید کے اقرار اور اللہ کے رسولوں کی رسالت و نبوت کی تصدیق کی طرف رہنمائی نہیں کرتا ہے بلکہ اُس نور سے راستہ پاتا ہے جو اللہ تعالٰی اپنے فضل وکرم سے اس کے نفس میں ڈالدیتا ہے۔ اُسی نور سے اللہ اور اُس کے رسولوں پر

ایمان لاتا ہے۔"

قرآنِ مجید کی آئیہ شریفہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے :-

" اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ " (سورة الزمر) 22

ترجمہ :- یعنے جس کے سینہ کو اللہ نے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ سینہ ، دل کا قلعہ ہے۔ اور دل محلِ عقل و معرفت ہے۔ وساوسِ شیطان کے حملوں کی ابتداء دل کے قلعہ سے ہوتی ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے :-

"اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ"(سورة الناس) 5

ترجمہ :- (خناس) لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

جس کی وجہ سے انسان ، دینِ اسلام میں حلاوت اور طاعتِ خدا میں لذت نہیں پاسکتا۔ یہ تو عام انسانوں کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلیل القدر رسولؑ ، صاحبِ کتابِ "توریت" اور صاحبِ کلمہ اولوالعزم پیغمبر ہونے کے باوجود خدائے تعالٰی سے جو التجاء کی ہے ، اس کا قرآنِ مجید میں بھی ذکر آیا ہے۔

"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۙ وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ۙ "(سورة طٰهٰ)25-26

ترجمہ (کہو) اے میرے رب ! میرا سینہ کھول دے اور میری مشکل آسان فرما دے۔

اِسی طرح حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے بھی دوگانۂ لیلۃ القدر کے موقع پر یہ دعاء بھی کی ہے :-

"اَللّٰھُمَّ اَرِنَاالْحَقَّ حَقًّا وَ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ "

ترجمہ :- اے اللہ ! ہمیں حق کو حق کی حالت میں دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اور ہمیں باطل کو باطل کی حالت میں دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

کیونکہ اللہ تعالٰی ، انسان کی نظر میں قلبِ ماہیت (یعنے خلافِ واقعیت) بھی دکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے موقع پر جب کہ کفار کی تعداد ، حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جماعت کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی ، لشکرِ کفار عصری آلاتِ حرب اور حربی

تمام سہولتوں سے مسلح و منظم تھا۔ اس کے باوجود آپؐ کی فتح ہوئی۔ لشکرِ کفار کو شکست و ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اس جنگ کی فتح حضرت رسول اکرم ﷺ کا اہم معجزہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے اور یہ انکشاف بھی فرمایا ہے :۔

"وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط"(سورۃ الانفال)44

ترجمہ :۔ اور جب تمہاری مدبھیڑ کافروں سے ہوئی تو تمہاری نظروں میں اُن (کافروں) کو قلیل دکھایا۔ اور اُن کافروں کی نظروں میں تم کو قلیل دِکھایا۔ تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہوچکا تھا۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی ہی قدرت کا ذکر اِس طرح فرمایا ہے:۔

" فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ط وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (سورۃ اٰل عمران)13

ترجمہ :۔ ایک فوج اللہ کے راستے میں لڑ رہی ہے اور دوسری (فوج) کافر ہے۔ جو اُن (مسلمانوں) کو صریح آنکھوں سے دوگنے دیکھ رہی ہے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ اس میں اہلِ نظر لوگوں کے لئے عبرت ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے اپنے بندہ کو نوازتا ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مومنین کو عشق و محبت کی تعلیم دی اور بصیرۃ و دیدار کی دعوت بھی دی ہے۔ اور وہ قادرِ مطلق، جس کی شان " فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ " (یعنے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔) بھی ہے تو وہ جس طرح آخرت میں دیدار سے مشرف کرسکتا ہے، اُسی طرح اِس دنیا میں بھی مومنین سے جس کو چاہے " دیدار " اور " ظہورِ تجلیات " سے مشرف کرنے سے ہرگز عاجز نہیں۔ خصوصاً " قومِ مہدیءِ موعودؑ " کو " يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ " (اللہ اُس قوم سے محبت کرتا ہے اور وہ قوم اللہ سے محبت کرتی ہے۔) کا اعلیٰ ترین اعزاز بخشتا ہے تو ضرور اُس اعزاز کے کماحقہٗ ظہور پر بھی قادر ہے۔

حضرت مہدیءِ موعود علیہ السلام کے فرزند حضرت میراں سید محمود رضی اللہ عنہٗ بھی انسان ہی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسی توفیق و استعداد اور ایسی اعلیٰ صلاحیت آپؓ کو عطا فرمائی تھی کہ 18 یا 19 سال کی عمر میں ہی رویتِ مطلقہ یعنے فنائے تام سے مشرف ہوگئے تھے۔ حالانکہ ابھی حضرت امامنا مہدی علیہ السلام نے " ذکرِ خفی " کی تعلیم آپ کو نہیں دی تھی۔ امامنا علیہ السلام،

حرمِ محترم حضرت بی بی الہدادی رضی اللہ عنہا سے تخلیہ میں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور منصبِ مہدیتِ موعودہ پر فائز ہونے کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت سید محمود رضی اللہ عنہٗ نے حسنِ اتفاق سے باہر سے سن لیا۔ اور سنتے ہی جاذب بحق ہوگئے۔ رویتِ مطلقہ یعنے فنائے تام کی اعلیٰ ترین بشارت سے سرفراز ہوئے۔ " ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ" ۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی " قادر و مختارِ مطلق " ہے اس لئے پیغمبروں نے بھی نورِ ولایت سے مشرف رہنے کے باوجود ، اللہ تعالیٰ سے " شرحِ صدر " اور " نورِ قلب ونظر " کی دعاء کی ہے۔

اِسی لئے مومنین کو بھی تاکید کے ساتھ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں۔ تقویٰ اختیار کریں۔ " شرحِ صدر " اور " حق و باطل " کی تمیز کا نور عطا ہونے کی اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے رہیں۔

انسان کی گمراہی ، وساوسِ شیطانی سے بھی ہوتی ہے اور محرکاتِ نفسانی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رمضان کے مبارک مہینہ کے فضائل میں یہ فضیلت بھی بیان ہوئی ہے کہ شیطان ، اس مہینہ میں قید کردیا جاتا ہے تاکہ سینے یعنے دل کے قلعے ، وساوس کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔اس کے باوجود مومنین میں سے بہت سے لوگ نماز اور روزہ سے محروم رہتے ہیں۔ بداعمالیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ " محرکاتِ نفسانی " کے غلبہ نے " طاعتِ خدا " کی لذت حاصل کرنے سے باز رکھا ہے۔ دنیاوی لذت ، دین سے بے پروائی اور لطائفِ رحیل میں مبتلا کردیا ہے۔

اِسی لئے حضرت مہدیءِ موعود علیہ السلام نے بندہ اور خدا کے درمیان جو حجابات ہیں اُن میں شیطانی وساوس کے علاوہ نفس کو بھی " حجاب " فرمایا ہے۔کیونکہ نفس کی وجہ سے بھی انسان غلط نظریات شکوک وشبہات ، بداعمالیوں اور شرارتوں میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔ اِسی لئے نہ صرف شیطان سے بلکہ " نفسِ امارہ " کی شرارتوں سے بھی خدائے تعالیٰ کی " پناہ " مانگی جاتی اور یہ دعاء کی جاتی ہے۔

" نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا " یعنے ہمارے نفس کی شرارتوں اورہمارے اعمال کی برائیوں سے ہم ، اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرتِ کاملہ کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ :-

" فَمَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ" یعنے جس کو اللہ ہدایت فرمادے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور

جس کو گمراہ کر دے کوئی اس کا ہادی نہیں بن سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کا اعتقاد دل میں قائم نہ ہو "تقویٰ" حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک "تقویٰ" حاصل نہو دینِ اسلام کی ہدایت سے مستفیض نہیں ہوسکتا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا ہے:-

" ذَالِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ " (سورۃ البقرہ) 2

یعنے یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کوئی بات شک و شبہ کے لائق نہیں ہے۔ یہ کتاب اُن لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

حالانکہ قرآنِ مجید ، قیامت تک پیدا ہونے والی انسانی دنیا کے لئے آخری و اتم دعوت الی الحق ہے۔ لیکن اس دعوت کو وہی انسان قبول کرسکتے ہیں، جن کے دل میں ، " تقویٰ " ہو اور وہ غیب پر ایمان لاتے ہوں۔

قرآنِ مجید کی شان میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے :-

" وَمَاهُوَبِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۙ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۟ اِنْ هُوَاِلَّاذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۙ لِمَنْ یَّشَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ط وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ع ۝ " (سورۃ التکویر) 25، 26، 27، 28، 29

ترجمہ :- یعنے وہ مردود شیطان کا قول نہیں ہے۔ پس تم کہاں جارہے ہو؟ وہ (قرآن) تو تمام عالمین کے لئے نصیحت ہے۔ تاکہ تم میں سے جو چاہے سیدھا راستہ اختیار کرسکے۔ اور تم وہی چاہوگے جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے۔

مفسرین نے " اِنْ هُوَاِلَّاذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ " کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

" ماالقرآن الا موعظۃ للخلق اجمعین " یعنے قرآن ہی تمام مخلوق کے لئے نصیحت ہے۔

عالمین سے مراد مکلفین یعنے عاقل و بالغ انسان ہیں۔ اس کا ثبوت " لِمَنْ یَّشَآءَ مِنْکُمْ " سے ہورہا ہے۔ دنیا کے وہ تمام عاقل و بالغ انسان ، جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اُن سب کے لئے بھی قرآنِ مجید ، دعوت و نصیحت ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید سے ہدایت و نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عاقل و بالغ ہوں۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ اسی لئے مفسرین نے

" وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا سْتِقَامَةَ عَلٰی طَرِیْقِ الْحَقِّ اِلَّابِمَشِیَّةِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ " یعنے تم حق کے راستہ پر استقامت کو نہیں چاہوگے مگر اللہ کی مشیت سے جو عالمین کا رب ہے۔

ظاہر ہے کہ حق کا راستہ اختیار کرنا اور اُس پر قائم رہنا ، "تقویٰ" اور غیب پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ السلام نے " وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَاللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ التکویر)29 " کی ماہیت یہ بیان فرمائی ہے کہ :-

" معنی ایں آیت اینست که چنانچه افعال و اقوالِ بندگان بجز مشیتِ حق تعالٰی نیست۔ ہمچناں خاطر و آرزوہائے بندہ بے ارادت و مشیتِ حق تعالٰی نیست"۔ (تقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؓ باب اول)

یعنے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بندوں کے افعال و اقوال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں اِسی طرح اندرونِ دل و دماغ سے تعلق رکھنے والی باتیں ارادے اور آرزوئیں بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے بغیر نہیں ہیں۔

امامنا علیہ الصلوٰۃ و السلام نے یہ نکتہ واضح فرمایا ہے کہ کوئی فعل یا قول "ارادہ" کے بغیر صادر نہیں ہوسکتا۔ خواہ ارادہ محسوس ہو یا نہ ہو ، اس لئے بنیادی بات یہ ہے کہ نہ صرف افعال و اقوال بلکہ اُن افعال و اقوال کے ارادے اور تمنائیں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر صادر نہیں ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "صلاح" و "اصلاح" بھی مشیتِ حق تعالیٰ پر منحصر ہے۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اس فرمان کی شانِ نزول یہ ہے کہ شہر پٹن (گجرات) میں ملا معین الدین ، مشہور عالم تھے۔ حکومت اور عوام پر اُن کا زیادہ اثر تھا۔ کئی شاگرد ، فارغ التحصیل ہوچکے تھے۔ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام ، پٹن تشریف لائے تو یہاں بھی آپؑ کے بیانِ قرآن اور دعوتِ مہدیت کی تاثیر سے ہزاروں آدمی مطیع و منقاد ہو رہے تھے۔ ملا معین الدین نے عناد اختیار کیا۔ اور اپنے لائقِ اعتماد شاگرد علماء کے ذریعہ پیچیدہ سوالات کا سلسلہ شروع کردیا۔

اکثر موقعے ایسے آئے کہ ملا معین الدین کے بھیجے ہوئے علماء کے سوالات پیش ہونے کی نوبت بھی نہیں آنے پاتی ، امامنا علیہ السلام بیانِ قرآن کے دوران ہی اُن سوالات کا تشفی بخش حل فرما دیا کرتے تھے۔ اس کا اُن علماء پر بھی بہت زیادہ اثر ہونے لگا۔ ملا معین الدین سے عاجزانہ التماس کیا کہ ہمارا علم عاجز ہوگیا ہے ، آپ خود چلیں۔ لیکن ملا معین الدین کو جراءت نہ ہوئی۔

ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ امامنا علیہ السلام راستہ سے گزر رہے تھے ، کسی نے عرض کیا کہ ملا معین الدین کا گھر یہی ہے۔ اُن کو اطلاع

دینے کے لئے ارشاد فرمایا تاکہ ملاقات ہوجائے۔ ملا معین الدین کو خبر ملتے ہی گھر کی دیوار پر بیٹھکر کہلوادیا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ موضع کی طرف سوار ہوکر گئے ہیں۔ آپؑ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ " وہ ایسی سواری پر ہیں کہ جس کے ذریعہ کبھی منزل کو نہیں پہنچ سکتے "۔ آگے روانہ ہوگئے۔ ملا معین الدین نے جھوٹ سے بچنے کے لئے جو حیلہ اختیار کیا، اس سے بھی اُن کی ذہنیت اور دینداری پر روشنی پڑ رہی ہے۔

غرض اس قدر پشیمانی و پریشانی کی حالت میں امامنا علیہ السلام کے دورانِ قیام عناد کا سلسلہ اپنی طرف سے اور حکومت میں رسوخ ہونے کی وجہ سے حکامِ وقت کے ذریعہ سے جاری رکھا۔

ایک دفعہ ملا معین الدین نے شاگرد علماء کے ذریعہ چار سوالات روانہ کئے تھے۔ اُن میں سے ایک سوال یہ تھا:-

" قَالَ اللهِ تَعَالٰی وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللهُ " یعنے بندہ ہیچ نمی خواہد مگر آں را خدا یتعالٰی می خواہد پس باید کہ ہر چہ بندہ می خواہد بشود۔ بسیار چیز است کہ بندہ می خواہد نمی شود"

یعنے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ پس لازم ہوا کہ بندہ جو چاہے پورا ہوجائے۔ حالانکہ بسا اوقات، بندہ جو چاہتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

کسے کہ اندک درعلمِ شریعت واقف باشد ایں چنیں سوال نہ کند معنی ایں آیت اینست کہ چنانچہ افعال و اقوالِ بندگان، بجز مشیتِ حق تعالٰی نیست ہمچناں خاطر و آرزو ہائے بندہ بے ارادت و مشیتِ حق تعالٰی نیست۔

(نقلیاتِ بندگی میاں عبدالرشیدؓ)

یعنے جو شخص، علمِ شریعت سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو، ایسا سوال نہیں کرے گا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بندوں کے افعال و اقوال اللہ تعالٰی کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں اِس طرح ارادے اور آرزوئیں بھی اللہ تعالٰی کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ افعال و اقوال کے لئے ارادہ مقدم ہے، خواہ محسوس ہو یا نہ ہو، اس لئے امامنا علیہ السلام نے ایک انتہائی بنیادی بات واضح فرمادی کہ جس طرح بندہ کے ہر کام و ہر کلام کا صادر ہونا یا نہ ہونا اور اُس کا پورا ہونا یا نہ ہونا اللہ تعالٰی کی مشیت پر منحصر ہے۔

اِسی طرح کسی ارادے اور آرزو کا صادر ہونا یا نہ ہونا اور اُس کا پورا ہونا یا نہ ہونا بھی اللہ تعالٰی کی مشیت ہی سے ہے ۔اس سے ثابت ہوگیا کہ بندہ جو چاہتا ہے وہ بھی مشیت ہی سے ہے اور اس کا پورا نہ ہونا بھی مشیت ہی سے ہے۔ اِسی لئے امامنا علیہ السلام نے ضدی سائل کو علمِ شریعت سے نابلد بھی قرار دیا ہے ۔ امامنا علیہ السلام کے جواب کی تائید میں قرآنِ مجید کی اور کئی آیات بھی ہیں۔ یہاں چند درج کی جاتی ہیں۔

(1) " لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ "(سورۃ آل عمران) 128

ترجمہ :-تیرے ہاتھ میں کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

(2) " قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ "(سورۃ آل عمران) 154

ترجمہ :-کہو کہ اختیار پورا پورا اللہ ہی کو ہے۔

(3) " وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ‏ " (سورۃ الکهف) 23

ترجمہ :-کسی چیز کے متعلق ہرگز ایسا نہ کہو کہ میں کل وہ کرنے والا ہوں (تمہارا ارادہ پورا نہیں ہوسکتا) مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اِسی لئے بزرگانِ دین و صالحینِ خیرِ اُمت کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام اور ہر کلام کے بارے میں جو آیندہ سے تعلق رکھتا ہو ، کلمۂ "انشاء اللہ" ضرور کہا کرتے ہیں۔!!

غرض اس سوال کے جواب میں امامنا مہدی علیہ السلام نے "مشیت" کا لفظ جو ارشاد فرمایا بہت نازک تفہیم کا حامل ہے۔ نہ صرف ملامعین الدین کی پیدا کردہ مشکل کا حل بلکہ جبر و قدر اور سزاء و جزا کے مسائل کا حل بھی اُسی میں موجود ہے۔!!

جبر و قدر" اور "سزاء و جزا" کے بارے میں علمائے نصاریٰ و یہود و ہنود بھی صدیوں قبل سے سرگرداں رہے ہیں بڑی بڑی نازک و نازک و پیچیدہ بحثیں پیدا کی ہیں لیکن مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہے "تناسخ" وغیرہ عقایدِ باطلہ میں مبتلا ہوگئے۔

علمائے اسلام میں خصوصاً متکلمین نے بھی بہت سی موشگافیاں کی ہیں۔ ہر ایک نے قرآن کی آیات ہی سے استدلال کرنے کی کوشش کی۔ اور جو آیات اپنے مفیدِ مطلب نظر نہ آئیں اُن آیات میں اپنے اپنے موافق تاویلات پیدا کرنے کی کوشش کی ہیں۔ دہریوں کے جوابات ادا کرنے میں بھی کافی مشقتیں برداشت کی ہیں۔ لیکن کوئی متفق حل نہیں نکال سکے۔ بجائے اتحادِ رائے

کے اختلافِ رائے میں شدت پیدا ہوگئی ۔ "جبریہ" ، "قدریہ" وغیرہ فرقے ، اپنے اپنے نظریات کے تحت عقاید کے پابند ہوگئے۔ علمائے جبریہ و قدریہ وغیرہ کی بحثیں اس کی شاہد ہیں۔ ہر ایک افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔ منشائے فرمانِ خدائے تعالیٰ سے قریب ہونے کے بجائے کوسوں دور ہوگئے ہیں۔ ان کے نظریات ، ان کی بحثوں اور دلائل کو پیش کرنا موجبِ طوالت ہوگا اور اِن بحثوں میں الجھنوں اور اختلافات کا علم حاصل ہونے کے سوائے کوئی افادیت بھی عام ناظرین کے لئے نہیں ہے۔اس لئے ہم نے صرفِ نظر کیا ہے۔!

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

آج کیا ہے ؟ فقط اِک مسئلہِ علمِ کلام (اقبال)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نسبت یقینِ تام پیدا فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور چیلنج بھی دیا کہ کوئی اس کی چھوٹی سی چھوٹی "سورۃ" کے مانند عبارت پیش نہیں کرسکتا۔ یہ چیلنج آج تک باقی ہے ۔ قیامت تک قرآن کے کلام اللہ ہونے کی "حجتِ قاطعہ" کی حیثیت سے باقی رہے گا۔ نیز یقین پیدا فرمایا کہ اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ کتاب "نورِ مبین" ہے۔ نیز فرمایا کہ "ذکر للعالمین" یعنے تمام عالموں کے لئے نصیحت ہے۔ اس لئے ہر انسان کا فرض ہوجاتا ہے کہ ایمان لائے تقویٰ پیدا کرے۔ قرآن کے نورِہدایت سے نصیحتیں حاصل کرے۔ اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرنے " تُخَلِقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ " (اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کا مصداق بننے مقربین و اصحابِ یمین میں شامل ہونے کی جدوجہد کرے۔ اس کے بجائے فلسفہِ یونان وغیرہ کے اصول ونظریات سامنے رکھکر فلسفیانہ مباحث اور تنقیدات و تاویلاتِ بعیدہ میں مبتلا ہونا ، قرآن کے حقیقی مقصد سے بے بہرہ ہوجانے کا باعث ہوتا ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ (اقبالؔ)

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے جو مظاہر پائے جاتے ہیں آسمان ، سورج ، چاند ، ستارے ، سیارے اور بے شمار عالم ہائے افلاک اور اُن میں سے ہر ایک کے جزئیات اور اُن کے نظام ہائے عوامل ، زمین کی خشکی و تری کے لاتعداد موجودات جن میں ہزاروں قسم کے جمادات ، لاکھوں قسم کے نباتات ،کروڑوں قسم کے حیوانات و جراثیم ان میں سے ہر ایک کے جزئیات اور اُن کے نظام ہائے وجود و حیات ، برق و اثیر کے کرشمجات کی حقیقت اور ان کے اسباب و اغراضِ پیدائش کا کماحقہ انکشاف ، طاقتِ بشری سے ممکن نہیں ۔ اِسی لئے قرآنِ مجید میں ان سب موجوداتِ عالم کو اللہ تعالیٰ کی آیات قرار دیا گیا ہے ۔

تواں در بلاغت بسحباں رسید

نہ در کنبہ بچون سحاں رسید (حضرتِ سعدی)

یعنے بلاغت میں سحبان کے جیسے وحید العصر صاحبِ بلاغت کے علم تک رسائی ممکن ہے لیکن بے مثل سحبان کے کنبہ میں رسائی محال ہے ۔

البتہ ان موجودات میں قدرت کے جو مظاہر نظر آتے ہیں ، عقل و ہوشِ نوری رکھنے والے کے لئے خالقِ کائنات جل شانہٗ کی معرفت و اطاعت کا سبب بنتے ہیں ۔ خواہ یہ معرفت و اطاعت کسی بھی درجہ کی اور کسی بھی منزل کی ہو!!!

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار

ہر ورقے دفتر یست معرفتِ کردگار

درخت کا ہر پتا ہوشِ نوری رکھنے والے انسان ، خدائے تعالیٰ کی معرفت کا ایک دفتر نظر آتا ہے ۔

خود دنیائے انسانیت میں باعتبارِ " جنس " تمام انسانوں اور باعتبارِ " نوع " ہر مرد و عورت کے وجود میں جو علاماتِ قدرت ہیں ، اُن کی پیدائش کی حقیقت کو بھی سمجھنا مشکل ہے ۔ ہر مرد و عورت میں صورت کا فرق ، آواز کا فرق ، دماغی قوتوں کا فرق ، جسمانی اعضاء کے تناسب کا فرق ، اعضاء کے کامل الخلقت و ناقص الخلقت ہونے کا فرق ، عِشرت و عسرت کا فرق ، صحت و مرض اور عمر کا فرق اور سیرت و کردار وغیرہ کا جو فرق پایا جاتا ہے ، اُس کے اسباب و علل کی حقیقت معلوم کرنا بھی محال ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے :-

قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًالِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَالْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (سورة الكهف)109

ترجمہ :- اے رسولؐ ! اُن سے کہو اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر (لکھنے کی) روشنائی بن جاتا تو میرے رب کے کلمات (کا بیان) پورا ہونے سے پہلے ہی سمندر خشک ہوجاتا خواہ ہم ایسے ہی ایک اور سمندر کی روشنائی مدد کے لئے لاتے (تواُس وقت بھی میرے رب کے کلمات پورے نہ ہو سکتے تھے)

نیز فرمایا ہے :-

" یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ ۚ وَلَایُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

(سورة البقره) 255

ترجمہ :- یعنے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے ، سب کچھ اللہ جانتا ہے مگر لوگ اللہ کے علم سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے ، بجز اُن باتوں کے جن کا علم اللہ خود اُن کو بخشنا چاہے ۔ اللہ کی حکومت آسمانوں اور زمین میں چھائی ہوئی ہے ۔

قرآنِ مجید میں ایسی بہت سے آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت ، اپنے اختیار اور اپنے علم و ارادہ کی شان کی طرف انسانوں کو متوجہ فرمایا ہے ۔ مثلاً

(1) " اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا " (سوره البقره) 165

ترجمہ :- بے شک قوت پوری کی پوری اللہ کے لئے ہے ۔

(2) " وَمَاهُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ " (سورة البقره) 102

ترجمہ :- وہ اپنے اس جادو کے ذریعہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے ۔

(3) " قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَالْوَاحِدُ الْقَهَّارُ " ۝ (سورة الرعد) 16

ترجمہ :- کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہی قہار ہے ۔

(4) " مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ (سورة الحديد) 22

ترجمہ :- کوئی مصیبت دنیا میں یا تمہارے نفوس میں نہیں پہنچی مگر یہ کہ وہ ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو ظہور میں لائیں۔

(5) " قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ " (سورة النساء) 78

ترجمہ :- کہو سب کچھ اللہ ہی کیطرف سے ہے۔

(6) " اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ " (سورة القمر) 49

ترجمہ :- ہم نے ہر چیز اندازہ کے موافق پیدا کی ہے۔

(7) لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ (سورة الشورىٰ)12

ترجمہ :- آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اندازہ کے موافق دیتا ہے۔

(8) وَلٰكِنۡ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ(سورة الشورىٰ) 27

ترجمہ :- اور لیکن وہ جو چاہتا ہے اندازہ کے موافق نازل کرتا ہے۔

بعض آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت وضلات بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ مثلاً فرمایا :-

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ؕ (سورة البقره)26

ترجمہ :- اللہ اُس کے ذریعہ سے بہت ساروں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت ساروں کو ہدایت دیتا ہے۔

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ (سورة الانعام)125

ترجمہ :- پس اللہ کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

مَنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضۡلِلۡهُ ؕ وَمَنۡ يَّشَاۡ يَجۡعَلۡهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝(سورة الانعام) 39

ترجمہ :- اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ (سورة المائده) 41

ترجمہ :- جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے اسے تم اللہ سے ہرگز نہیں بچاسکتے ۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔

وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورة يونس) 99-100

ترجمہ :-اگر تمہارا رب چاہتا تو دنیا کے پورے کے پورے انسان ایمان لے آتے ۔ پس کیا تم لوگوں کو مومن بن جانے پر مجبور کروگے ۔ حالانکہ کوئی آدمی اللہ کے حکم کے بغیر مومن نہیں بن سکتا۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (سورة النساء) 88

ترجمہ :-کیا تم اُس شخص کو ہدایت بخشنا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ کیا ہو، حالانکہ جس کو اللہ گمراہ کیا ہو ، اس کے لئے کوئی راہ نہیں پاسکتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ (سورة مريم) 83

ترجمہ :- کیا تم دیکھتے نہیں ہوکہ ہم نے شیاطین کو اُن کافروں کے لئے بھیجدیا ہے وہ اُن کو خوب بھڑکا رہے ہیں ۔

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ ۝ (سورة النمل) 4

ترجمہ :- ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کے لئے خوشنما بنادیا ہے پس وہ بھٹک رہے ہیں ۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (سورة الانعام) 101

ترجمہ :-اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور ہر چیز کو وہی جاننے والا ہے ۔

اللہ تعالٰی نے اپنے علم و قدرت اور اپنی مشیت وحکومت پر اعتقاد رکھنے کی ہدایت بھی واضح طور پر فرمادی ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورة اٰل عمران) 26

ترجمہ :-کہوکہ اے خدا! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھینتا ہے ۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کردیتا ہے ۔ نیکی تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ (سورة البقره) 165

ترجمہ :۔ لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوائے دوسروں کو معبود بنا لیتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے ہونی چاہیئے حالانکہ جو لوگ ایمان لانے والے ہیں اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں ۔ کاش کہ یہی بات ظالم لوگوں کو سوجھ جاتی جس وقت عذاب دیکھیں گے محسوس کرینگے کہ قوت کا مالک صرف اللہ ہی ہے ۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ (سورة المزمل) 9

ترجمہ :۔اپنے رب کا ذکر کر اور سب سے ٹوٹ کر اللہ ہی کا ہوجا ۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ۔ پس تو اُسی کو اپنا کارساز بنالے ۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (سورة البقره) 107

ترجمہ :۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوائے کوئی ولی و مدد گار نہیں ہے ۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورة التوبه) 51

ترجمہ :۔ کہو ہم پر ہرگز مصیبت نہیں آسکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے نصیب میں لکھدی ہے ۔ وہی ہمارا مولٰی ہے ۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ۔

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ (سورة اٰل عمران)154

ترجمہ :۔وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے متعلق کسی تدبیر میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے ۔ اُن سے کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کی قسمت میں قتل ہونا لکھدیا گیا تھا وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے ۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ (سورة اٰل عمران) 145

ترجمہ :۔ اور کوئی شخص اِذن کے بغیر مر نہیں سکتا ۔ موت کا وقت لکھا ہوا مقرر ہے ۔

قرآنِ مجید کی بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے بندہ کو اختیار بھی عطا فرمایا ہے ۔ ہدایت قبول کرنا یا نہ کرنا نیک یا بد بننا انسان کے اختیار میں ہے۔اللہ نے نیکی کا حکم دیا ہے۔بدی سے منع فرمایا ہے۔ نیکی اختیار کرے تو جزا پائے گا۔ بدی اختیار کرے گا تو سزا پائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ (سورة الرعد) 27

ترجمہ :۔جوکوئی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے ۔

فَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورة الانشقاق)20

ترجمہ :۔ انہیں کیا ہوگیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط(سورة المنكبوت)69

ترجمہ :۔ اور جو لوگ ہماری طلب میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستے دکھاتے ہیں ۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى ۔۔۔الخ (سورة محمد)17

ترجمہ :۔ جو لوگ ہدایت قبول کرتے ہیں اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے ۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَفَلْيَكْفُرْ ۪ (سورة الكهف) 29

ترجمہ :۔ جوکوئی چاہے ایمان لائے اور جوکوئی چاہے ایمان نہ لائے ۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ۚ (سورة البلد) 10

ترجمہ :۔ ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں ۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (سورة الدهر) 3

ترجمہ :۔ہم نے اس کو راستہ دکھلایا ہے چاہے تو شکرگذار بنے اور چاہے تو ناشکر گذار بن جائے ۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ۝ (سورۃ النجم)39

ترجمہ :۔ اور یہ کہ انسان جو کوشش کرے گا وہی پائے گا۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ ۝ (سورۃ امدثر)55

ترجمہ :۔ جو کوئی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ)26

ترجمہ :۔ اور وہ اُس قرآن کے ذریعہ صرف بدکاروں کو گمراہ کرتا ہے۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙقف (سورۃ ابراھیم)27

ترجمہ :۔ اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (سورۃ النساء) 155

ترجمہ :۔ بلکہ اللہ نے اُن پر اُن کے کفر کی وجہ سے مہر لگادی ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال) 7

ترجمہ :۔ جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کا نیک اجر دیکھ لے گا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (سورۃ البقرہ) 286

ترجمہ :۔ جو نیکی اُس نے کمائی اُس کا فائدہ اُس کے لئے ہے اور جو بدی اُس نے اختیار کی اُس کا وزن اُسی پر ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ز (سورۃ الجاثیۃ)15

ترجمہ :۔ جو کوئی نیک کام کرے گا اُس کا فائدہ خود اُس کے لئے ہے۔ اور جو کوئی برا کام کرے گا اُس کی سزا خود اُس پر لازم ہوگی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
(سورۃ الانفال)53

ترجمہ :- یہ اُسی وجہ سے ہے کہ اللہ اُس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی گئی ہو۔ جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی۔ اور یہ کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ (سورة البقره) 28

ترجمہ :- تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو ؟ دراں حالیکہ تم بے جان تھے اللہ نے تم کو زندہ کیا۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ (سورة النساء) 123

ترجمہ :- جو برا عمل کرے گا اُس کے مطابق بدلہ پائے گا۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورة النمل) 90

ترجمہ :- کیا تمہیں اس کے سوا کوئی اور بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو ؟

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورة اٰل عمران) 133

ترجمہ :- اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف ۔

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ (سورة الاحقاف)31

ترجمہ :- اللہ کی طرف بلانے والے و داعی الی اللہ کو قبول کرلو۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (سورة الكهف) 28

ترجمہ :- اور ایسے شخص کی بات نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کرلی ہو۔

اللہ تعالٰی نے قرآنِ مجید میں یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ وہ بندوں پر جبر و ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (سورة حٰم السجدة)46

ترجمہ :- اور تیرا رب بندوں کے لئے ہرگز ظالم نہیں ہے۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ اٰل عمران) 108

ترجمہ :- اور اللہ دنیا والوں کے لئے ہرگز ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (سورۃ الشوریٰ) 30

ترجمہ :- تم پر جو مصیبت آتی ہے تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (سورۃ یونس)44

ترجمہ :- بے شک اللہ اُن لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا اور لیکن وہ خود اپنے پر ظلم کرتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قف ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق

(سورۃ البقرہ) 256

ترجمہ :- دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممیز کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ پس جو شیطان سے کفر کرے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا پس اُس نے بہت بڑا سہارا تھام لیا۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ ع ۝ (سورہ الکافرون) 6

ترجمہ :- تمہارا دین تم کو ہمارا دین ہم کو۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (سورۃ البقرہ) 286

ترجمہ :- اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اتنی ہی جتنی اُس میں وسعت برداشت ہو۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ط (سورۃ التوبہ) 115

ترجمہ :- اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اُسے گمراہ کر دے۔ جب تک کہ اُن کو یہ نہ بتا دے کہ انہیں کس بات سے بچنا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (سورہ النسآء) 79

ترجمہ :-ہر بھلائی جو تمہیں حاصل ہوتی ہے اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور ہر برائی جو تمہیں پیش آتی ہے وہ تمہاری ہی وجہ سے ہوتی ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ خدائے تعالٰی کی شان میں " ظلم " کا اطلاق " نعوذباللہ " ، ہو ہی نہیں سکتا۔کیونکہ کسی کی ذات پر یا کسی کے مال و جائداد میں " بے جا تصرف " کو " ظلم " کہتے ہیں۔ لیکن مال و جائداد کا جو مالک ہے خود اُس کو حق و اختیار حاصل ہے کہ جیسا چاہے تصرف کرے۔ کسی کے گھر کی دیوار کو اگر کوئی شخص بغیر کسی حق کے جبراً ڈھادے تو ظالم قرار پائے گا۔ حکومتِ وقت بھی اس کو سزا دے گی۔ لیکن اگر گھر کا مالک خود اپنی مصلحت و ضرورت کے تحت اپنے صوابدید پر گھر کی دیوار یا پورا گھر بھی ڈھادے تو اُس کو ظالم نہیں کہا جائے گا۔

جب کہ اللہ تعالٰی کی ذات ، "مُنَزَّہٌ عَنِ التَشْبِیْھَاتْ" "خَالِقُ الْکُلْ" اور "مَالِکُ الْمُلْکْ" ہے تو اُس کو اختیار ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ کسی بندۂ خدا کو چوں و چرا کی مجال نہیں ہوسکتی !!

اس اختیار و قدرت کے باوجود اور " ظلم " کا اطلاق کسی حیثیت سے بھی صادق آنا ، محال ہونے کے باوجود ، اللہ تعالٰی نے انسانوں پر واضح فرمایا ہے کہ " اللہ ظالم " نہیں ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں " جبر " نہیں ہے۔ ہدایت و ضلالت دونوں سے تم کو آگاہ کردیا گیا ہے۔ اگر ہدایت اختیار کرو گے تو جزا پاؤ گے۔ اگر ضلالت اختیار کرو گے تو سزا پاؤ گے ۔ اب تمہارا اختیار ہے جزا حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرو یا سزا پانے کا۔ !!!

نیز اللہ تعالٰی نے اپنے اس احسانِ عظیم سے بھی انسانوں کو آگاہ فرمادیا ہے کہ :-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانعام) 160
ترجمہ :- جو شخص ایک نیکی لائے گا اُس کو ویسی دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا۔اور جو شخص ایک بدی لائے گا اس کو اتنی ہی سزا دی جائے گی اور وہ ظلم نہیں کیئے جائیں گے ۔

اللہ تعالٰی نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ وہ چاہے تو کسی بندہ کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور چاہے تو کسی بندہ کے گناہوں پر غضب فرماتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالٰی " عَلِيْمٌ م بِمَا فِى الصُّدُوْرْ " یعنے دلوں میں جو ہے اُس کا جاننے والا ہے۔ لیکن انسان کو اس

قدرت کا کمال قطعی طور پر حاصل نہیں ہے۔ مثلاً مفتی استفتاء صورت مسئول عنہا پر سے حسبِ احکامِ شرع شریف فتویٰ صادر کرتا ہے۔ لیکن نیت اور دلوں کے حال کی حقیقت نہ تو جان سکتا ہے اور نہ اس کے لئے حسبِ احکامِ دین یہ جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ تو جو ظاہر ہے اُس پر حکم عاید کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی بر تقدیر صدقِ قولِ مستفتی کی شرط بھی عاید کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالٰی بندہ کے صدور ، اقوال وافعال کی حقیقت اور نیت کے جاننے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس لئے اپنی اِس قدرتِ علم کے لحاظ سے نیک یا بد ہونے کا حکم صادر فرماتا ہے۔ اس لئے جس کو مفتی نے اگر چہ بظاہر بجا طور پر فاسق و فاجر قرار دیا ہو، لیکن واقعہ کی حقیقت اور نیت کے نیک ہونے کے علم کی وجہ سے اللہ تعالٰی اُس کو بخش دے گا۔ اسی طرح مفتی جس کو صالح و مومن قرار دے اس کے دل کی منافقت اور باطن کے شرک و کفر کے علمِ حقیقی کی وجہ سے اللہ تعالٰی اس پر غضب فرمائے گا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اس کا بیانِ مبین بھی موجود ہے۔

لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْتُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ البقرہ) 284

ترجمہ :۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اگر تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کروگے یا اس کو چھپاؤ گے اللہ تمہارے اس عمل کا حساب کرے گا۔ پس جس کو چاہے بخش دے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز "صدقِ دل" سے توبہ کرنے اور رجوع الی اللہ ہونے کو بھی گناہوں کی بخشش کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے "اَلتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" (توبہ کا قبول کرنے والا رحیم) اپنی شان بھی بیان فرمائی ہے۔ اسی لئے ہدایت فرماتا ہے :۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔۔الخ (سورۃ اٰل عمران) 133

ترجمہ :۔ اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ع ۝ (سورۃ النصر) 3

ترجمہ :۔ پس اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھو اور اُس سے گناہوں کی مغفرت چاہو بے شک وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

واضح ہو کہ کلام اللہ کی جتنی نوعیتیں اس ضمن میں ہم نے پیش کی ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو کئی طریقوں سے ہدایت فرمائی ہے کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالٰی کے اِس احسانِ عظیم کو سمجھے اور اُس کی خالقیت ، ربوبیت ، علمیت ، مشیت ، اور قدرت کا اقرار کرے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے جو اختیار انسان کو عطا فرمایا ہے مجبورِ محض نہیں بنایا ہے ، اُس کا بجا طور پر استعمال کرے۔ اس کے بھیجے ہوئے خلیفوں پر اور اُن کے ذریعہ جو تعلیمات نازل کی گئی ہیں اُن پر ایمان لائے اور اُن پر عمل کرے۔ اُس محسنِ حقیقی سے محبت و عشق پیدا کرے اس کے قرب و لقاء یعنے دیدار سے مشرف ہونے کے طریقے اختیار کرے۔

لیکن جن لوگوں کو قرآن کے اُسلوبِ بیان اور قرآن کی آیات کے نزول کی شان کا علم نہیں ہے ، اُن کو شبہ ہوتا ہے کہ قرآن میں اختلافات اور متضاد بیانات ہیں۔ نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ حالانکہ یہ نفس یا شیطان کا محض دھوکہ ہے ورنہ معمولی سمجھ کے آدمی کے لئے بھی یہ بات کافی ہوسکتی ہے کہ قرآن ، اللہ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا!! چونکہ قرآن ، اللہ کا کلام ہے اس لئے اُس کو تضاد و تناقص وغیرہ نقائص سے بری ماننا بھی لازم ہوا۔

مہدی ءِ موعودؑ ، بینتہ اللہ ، مبین القرآن کی شان تو یہ ہے کہ آپؑ نے قرآن کی بعض آیات کو " منسوخ " ماننا بھی باطل قرار دیا ہے ۔ کیونکہ قرآنِ مجید " ناسخ " ہے۔ اُس کا کوئی جز بھی " منسوخ " نہیں ہوسکتا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جن آیات کو منسوخ قرار دیا جائے ، اُن آیات کو قرآن میں باقی بھی رکھا جائے !! اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالٰی آیندہ کسی موقع پر بیان کی جائے گی۔ لہٰذا کسی کو اگر جبر و قدر کے تعلق سے قرآنِ مجید میں " تناقض " کی جیسی کوئی بات بظاہر محسوس ہو تو اُس کو اپنی نظر اور اپنی عقل و فراست کا قصور سمجھنا چاہیئے۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا :-

ذَالِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ ۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ۔۔۔ الخ (سورۃ البقرہ)3

ترجمہ :- اس کتاب میں شک کی کوئی بات نہیں ہے یہ کتاب اُن لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

اس اصول کے بر خلاف ، انسانی تالیفات و تصنیفات کے اصول کو قرآن پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ گمراہ کن بے اُصولی

ہوگی۔ کیونکہ اس سے کلام اللہ میں "کلامِ الناس" کی مطابقت دیکھنا لازم آئے گا۔ جو صریحاً باطل ہے۔ قرآنِ مجید کوئی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ 23 سال میں نازل شدہ ہدایات و احکام پر مشتمل کلامِ الٰہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور جبر و قدر کے بارے میں بھی جس قدر بیان فرمایا ہے ایک بڑے سے بڑے عالم سے لے کر ایک عاقل و بالغ عام انسان کے لئے بھی کافی ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ "نورِ ایمان" سے مشرف ہو۔!! اسی لئے امامنا حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے :-

" برائے فہمیدنِ قرآن ، نورِ ایمان بس است "!! ترجمہ :- قرآن کو سمجھنے کے لئے نورِ ایمان کافی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت و قدرت کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے جتنا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس سے آگے اس سے زیادہ کی کھوج لگانا اور فلاسفہ کے اُصول و نظریات کے تحت قرآن میں غور و تفحص کرنا محض فعلِ عبث بلکہ باعثِ خسرانِ دو جہاں ہے۔!!! چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعاء قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے :-

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡئَلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ (سورۃ ھود) 47

ترجمہ :- نوحؑ نے کہا! اے پروردگار! بے شک میں ایسا سوال کرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کا (نامناسب سوال ہونے کا) مجھے علم نہ ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ (سورۃ اٰل عمران)7

ترجمہ :-جن لوگوں کے دلوں میں تیڑھا پن ہوتا ہے وہ لوگ اُن آیات کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو متشابہ ہیں اور اُن کے بارے میں فتنہ و تاویل کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُن آیاتِ متشابہ کی قطعی تاویل بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور راسخین فی العلم کہتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اس پر ایمان لایا۔

بعض ائمہ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ " راسخین فی العلم " بھی " آیاتِ متشابہ " کی تاویل جانتے ہیں یا نہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ اِلَّااللهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کے بارے میں "حنفیہ" کہتے ہیں کہ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللهُ جملہ پورا ہوچکا۔ وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا دوسرا جملہ ہے۔ اس "ترکیبِ نحوی" سے معنی یہ ہوئے کہ "آیاتِ متشابہ" کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اس پر ایمان لایا۔ !!

اور حضرت امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور عامہ معتزلہ کہتے ہیں کہ "وَالرَّاسِخُوْنَ" کا عطف "وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللهُ" پر ہے اور "يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا" دوسرا جملہ ہے جو "وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ" کی صفت واقع ہوا ہے۔ اس ترکیبِ نحوی سے معنی یہ ہوئے کہ:-

آیاتِ متشابہ کی تاویل بجز اللہ اور اُن راسخین فی العلم کے کوئی نہیں جانتا جو کہتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اُس پر ایمان لایا۔!!

حنفیہ کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ راسخین فی العلم بھی آیاتِ متشابہ کی تاویل نہیں جانتے اور شافعیہ کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ راسخین فی العلم بھی آیاتِ متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔

اس اختلاف کی تطبیق، صاحبِ "نور الانوار" نے اس طرح بیان کی ہے کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین متشابہ کی تاویل جانتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ وہ "ظنی تاویل" جانتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین تاویل نہیں جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قطعی تاویل نہیں جانتے جو واجب الاعتقاد ہو"۔

بہر حال یہ ثابت ہے کہ قطعی تاویل صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اُس کا خلیفہ اسی حد تک جانتا ہے جو کہ اس کو معلوم کی گئی ہو۔ مسئلہ جبر و قدر کی بھی یہی صورت ہے۔ غرض یہ کہ "تقویٰ" اور یقین دینیات کی بنیاد ہے۔ ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"ایک مرتبہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر سیدالشہدا معرکہءِ بدرِ ولایت رضی اللہ عنہ نے صحابہؓءِ مہدی موعودؑ سے بطورِ امتحان ایک گھانس کی کاڑی اٹھا کر سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ سب نے کہا "یہ کاہ ہے" آپؓ نے کہا اگر اس کو مہدی موعودؑ نے "شاہ" فرمایا ہے تو

آپ حضرات کیا کہیں گے ؟ سب نے کہا ہماری نظر کا قصور سمجھیں گے اور " شاہ " ہی کہیں گے ۔ پھر آپ نے کنکر اٹھا کر سوال کیا ، یہ کیا ہے ؟ سب نے کہا یہ کنکر ہے ۔ آپ نے کہا اگر مہدی ءِ موعودؑ نے اس کو " گوہر " فرمایا ہے تو آپ کیا کہیں گے سب نے کہا ہماری نظر کا قصور سمجھیں گے اور " گوہر " ہی کہیں گے ۔

واضح بادکہ اس روایت کے بارے میں کسی کو درائیت کی عدم مطابقت کا شبہ ہوتو اس روایت کے الفاظ " بطورِ امتحان " اور " اگر " " اگر " سے یہ شبہ مرتفع ہوجاتا ہے اور صاف سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس سے یقین و تقلید کی جانب توجہ مبذول کرنا مقصود ہے جو ضروریاتِ دین سے ہے ، صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی رہا ہے کہ :- " ہست " تقلید " ہم از اسمائے عشق !! "

غرض یہ کہ مسئلہ " جبر و قدر " کی کھوج میں پڑنا ، منشائے قرآن مجید کے خلاف ہے ۔ اس لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ میں مباحثہ و مجادلہ اور کھوج لگانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے ۔ چنانچہ روایت ہے :-

" ایک وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں جبر و قدر کے مسئلہ میں بحث کر رہے تھے ۔ اتنے میں حضرت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ۔ یہ گفتگو سن کر اس قدر جلال میں آ گئے کہ رخِ انور سرخ ہوگیا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ، کیا انہی باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے ؟ کیا اسی لئے میں تم میں بھیجا گیا ہوں " ایسی ہی باتوں کی وجہ سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئی ہیں ۔ میرا حکم یہ ہے کہ اس مسئلہ میں جھگڑا نہ کرو " ۔

یہ روایت مختلف طریقوں سے حضرت عمرؓ ، حضرت عائشہؓ ، حضرت انسؓ ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العائصؓ سے مروی ہے ۔

اسی لئے اکابرِ محدیثین و فقہاء و محققینِ اہلِ سنت رحم اللہ علیہم اجمعین نے یہ اعتقاد اختیار کیا کہ وَلَقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ :- میں نے ایمان لایا اس بات پر بھی کہ خیر اور شر کی تقدیر بھی اللہ کی طرف سے ہے ۔

کیونکہ " جبر و قدر " کی من مانی بحث و تمحیص اور فلسفیانہ الجھنوں میں مبتلا ہونا ، ضروریاتِ دین سے نہیں ہے ۔ لیکن صریح ممانعت اور سخت وعید کے باوجود جن لوگوں نے " جبر و قدر " کی من مانی بحث پیدا کی اور اس قدر شدت اختیار کی کہ " جبریہ " و " قدریہ " وغیرہ جماعتوں میں منقسم ہوگئے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق اعتقاد کے پابند ہوگئے ۔ اور اپنی اپنی تائید میں قرآنِ مجید کی آیات میں تاویلاتِ

بعیدہ و باردہ و باطلہ کے مرتکب ہوئے۔ کیا یہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان و منشائے قرآن کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف حکم فرمایا ہے کہ :-

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر) 7

ترجمہ :- رسول تمہارے پاس جو کچھ لائیں اس کو اختیار کرو اور جس سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو۔

حاصلِ کلام یہ کہ ملا معین الدین پٹنی نے بھی اپنے سوال کے ذریعہ " جبر و قدر " کی جیسی بحث چھیڑنی چاہی تھی اسی لئے امامنا حضرت مہدی ءِ موعود ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

کسے کہ اندک درعلمِ شریعت واقف باشد ایں چنیں سوال نہ کند۔

ترجمہ :- جو شخص علمِ شریعت سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو ایسا سوال نہیں کرے گا !!!

اس سے قبل ایمانِ مفصل کا فقرہ " وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ " کا ذکر ہوا ہے اس میں " قدر " کا جو لفظ آیا ہے اس کی اور اس کے بعض مشتقات کی تشریح کی ضرورت ہے تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ عربی زبان میں اور قرآنِ مجید میں " قدر " کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً :-

اندازہ - مقدار - طاقت - وسعت - کمی کرنا - لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا۔ ازلی فیصلہ یعنے اللہ کا حکم " نالے " اپنی مقدار کے موافق یا زمین کی ضرورت کے مطابق بہہ نکلنا۔ مالی گنجایش - فراخی - عظمت و مرتبہ یا معرفت - برکت -

" قدر " لازم بھی استعمال ہوا ہے ، متعدی بھی ۔ پہلی صورت میں معنے ہونگے۔ طاقت رکھا " غالب ہوا " " قادر ہوا " " قابو والا ہوا " دوسری صورت میں معنے ہونگے علمی اندازہ کیا " تعظیم کی " " حکم دیا " " وقت مقرر کیا " " روزی تنگ " کی۔

قادر :- " قدرت رکھنے والا " قدرت کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو کسی کا عجز لازم نہیں آتا کیونکہ اُس کی ذات قادرِ مطلق ہے چونکہ انسان کی قدرت ناقص ہے اور عجز بھی اس میں پایا جاتا ہے اس لئے انسان کو مطلقاً قادر نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ جس چیز پر انسان کو

قدرت ہے، اس کے ذکر کے ساتھ قادر کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً احسان کرنے پر قادر ہے۔ قتل کرنے یا چوری کرنے پر قادر ہے۔ کسی مفعول کی ایسی صراحت کے بغیر ازروئے شرعِ شریف کسی انسان کو مطلقاً قادر یا قدیر نہیں کہا جاسکتا۔

قدیر :- "صفتِ مشتبہ" ہے۔ اس کے معنی ہیں، حکمت کے مطابق جو چاہے کرنے والا۔ یہ قدرت کسی انسان میں بھی بدرجۂ کمال مطلقاً نہیں پائی جا سکتی۔ اس لئے بجز خدا کے کسی کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ اصطلاحِ شرع میں قدیر کا اطلاق غیراللہ پر نہیں ہوا ہے۔ قرآنِ مجید یا احادیثِ شریفہ میں کسی جگہ کسی انسان یا فرشتے یا جن یا کسی بھی مخلوق پر قدیر کا اطلاق نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کسی انسان کو قدیر کہنا جائز نہیں ہے۔

تقدیر :- "تَفْعِیلٌ" کے وزن پر مصدر ہے۔ "قَدْرٌ" اور "تَقْدِیرٌ" دونوں کے معنی، "اندازہ کرنا"۔ "کسی چیز کی کمیت اور مقدار کا بیان کرنا" ہیں۔ تقدیر کا لفظ "قدرت عطا کرنے۔ ازل میں حکم دینے یا مقرر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

بنظرِ اختصار کتب لغات اور قرآن مجید کی آیات و کتبِ تفاسیر کے حوالے نہیں پیش کئے گئے۔

واضح ہو کہ تقدیر، یعنے اندازہ کرنا، حکم لگانا، قدرت عطا کرنا، انسان سے بھی ہوسکتا ہے۔ ہزاروں ایجادات جو ہوتی جارہی ہیں۔ فضاء و خلا میں لاکھوں میل، فی گھنٹہ سینکڑوں میل کی رفتار سے طئے جو کئے جارہے ہیں، اس کا ثبوت ہے۔ لیکن اُن سب کا تعلق خدا کی ہی دی ہوئی عقل سے ہے۔ اور اسی کے پیدا کئے ہوئے موجودات پر ان سب کا انحصار ہے۔ مثلاً یورانیم، تھوریم اور لوہا وغیرہ، زمین سے حاصل ہوتے ہیں، آکسیجن، ہائیڈروجن، اور دوسری گیسیں فضاء سے حاصل ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر نہ ایٹم (جوہر) حاصل ہوسکتا ہے اور نہ جوہری توانائی، جس کے یہ سارے کرشمے ہیں۔ حتیٰ کہ برقی قوت بھی لوہا، پانی، اور کوئیلے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انسان صرف معلوم سے غیر معلوم، موجود سے غیر موجود کو حاصل کرسکتا ہے۔ اور اندازہ اس کی رہبری کرتا ہے۔ بسا اوقات یہ اندازہ غلط بھی واقع ہوجاتا ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی تخلیق و ایجاد کو پہنچنے کی انسان میں مجال نہیں۔ درخت کے جیسا مصنوعی درخت، بہتر سے بہتر، صحیح سے صحیح صورت میں بنا سکتا ہے۔ آرٹ کا کمال دکھا سکتا ہے لیکن درخت جس طرح پیدا ہوتا ہے، جس طرح چھوٹے سے بڑا ہوتا، پھیلتا، پھولتا ہے، جو تخلیق جو نمو اور زندگی درخت کے ایک ایک پتہ کو حاصل ہے ویسی زندگی کسی

ایک مصنوعی پتہ کو عطا کرکے وجود میں نہیں لا سکتا۔ برق و بخارات اور مشنریوں کی مدد سے حرکت پیدا کر دینا اور ہے ، حیات عطا کر کے حرکت میں لانا اور۔!!

اسی لئے شریعتِ اسلامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ تخلیق و تقدیر کا لفظ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے لئے ہی اپنے مفہومِ تام کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اُس کا علم اُس کا اندازہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اجرامِ فلکی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُالْعَزِیْزُالْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَاالشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَااللَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (سورۃ یٰسٓ) 37-40

ترجمہ :- اور سورج اپنے مستقر کی طرف چل رہا ہے یہ ایک زبردست علم والے کی قائم کی ہوئی تقدیر ہے۔ اور چاند کی منزلیں ہم نے مقدر کردی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پہلی کجی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ نہ سورج سے ہوسکتا ہے کہ چاند سے جا ملے اور نہ رات سے یہ ہوسکتا ہے کہ دن سے پہلے ہو جائے۔ ہر ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

آسمان کا کارخانہ جس علم و اندازہ پر اپنی قدرت سے پیدا فرمایا، آج تک قایم و جاری ہے۔ قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ قیامت کی ہولناک قرآنی پیش گوئیوں کو ثابت کرنے میں بہت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ آج کے ترقی یافتہ فلسفۂ الہیات اور سائنس کی موجودگی میں قیامت کے امکان پر یقین مشکل نہ رہا۔ کیوں کہ آج کی جدید علمی دنیا میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جن اجرامِ فلکی کا دار و مدار نظامِ شمسی پر ہے جب کبھی اس نظامِ شمسی میں خلل واقع ہوگا۔ اجرامِ فلکی کا نظام بھی باقی نہ رہے گا۔ زمین ، چاند ، وغیرہ سب آپس میں ٹکرا جائینگے۔ اس کے ہولناک نتایج محتاجِ بیان نہیں۔ اسلامی زبان میں مختصر یہ کہ قیامت برپا ہوجائے گی۔!!!

غرض آسمان و زمین کی سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کے تابعِ فرمان ہیں چنانچہ فرماتا ہے :-

کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ (سورۃ الروم) 26

ترجمہ :- سب اُس کے تابع فرمان ہیں۔

لَایَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَلَایَفْتُرُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیآء) 19-20

ترجمہ :- اپنے رب کی بندگی سے نہ سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ دن رات تسبیح میں لگے ہوئے ہیں ذرا دَم نہیں لیتے۔

لیکن یہ انسان ہی ہے جو کفر و عصیان میں بھی مبتلا ہوتا ہے اُس کے باوجود " اشرف المخلوقات " کے خطاب سے سرفراز بھی ہے۔ اس لئےکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت و تقدیر یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جمادات ، نباتات ، حیوانات ، فرشتے اور جنات بھی پیدا فرمائے ہیں۔ ہر ایک کو ایک اندازہ پر قائم فرمایا ہے۔ جمادات کی تقدیر الٰہی یہی ہے کہ بے حس و حرکت رہیں۔ نباتات کی تقدیر الٰہی یہ ہے کہ ہر درخت اور ہر بیل بوٹے اور پودے کو جو جو خصوصیات دی گئی ہیں انہی میں محدود رہے۔ ہر تخم میں جیسے درخت ، جیسے پھل و پھول کی صلاحیت دی گئی ہے اس میں از خود کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ کھجور کے بیج سے آم کا درخت نہیں پیدا ہوتا۔آم کے تخم سے سیب کا درخت نہیں پیدا ہوتا۔ گلاب کے پودے کو موتیا کے پھول نہیں لگتے۔

نمو کے اعتبار سے بھی یہی صورت ہے۔ ہر درخت تناور نہیں ہوجاتا۔ جس درخت یا بیل و پودے کے تخم میں جتنے قد کی جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت ہے ، اسی قدر ہوسکے گا۔ جدید سائنس کی رُو سے پودوں کی مختلف نسلیں ، قومیں ، قبیلے اور خاندان ہوتے ہیں۔ ہر ایک میں اس کی خصوصیات ودیعت رہتی ہیں۔ کسی درخت کی شاخ کا پیوند کسی درخت کو لگا کر جو تبدیلی کی جاتی ہے یہ ماہرِ نباتیات کی جدوجہد کا نتیجہ قرار دی جائے گی۔ لیکن از خود کسی درخت میں ایسی تبدیلی پیدا کرلینے کی کوئی فطری استعداد قطعاً موجود نہیں ہے۔

حیوانات میں سے ہر جاندار کی جو قسم ہے ، اُس کے لئے جو خصوصیات اور جو طرزِ زندگی مقدر ہے ، اس میں کوئی تبدیلی از خود نہیں ہوسکتی۔ سوائے اِس کے کہ اپنی اپنی فطریات کی حد تک جدوجہد کرتے رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حیوانات کی ہر جنس اور اُن کی مختلف انواع ، بقائے وجود اور بقائے نسل کے لئے جدوجہد کررہی ہیں۔ اور ڈارون۔ (۔ لیکن انسان کی تخلیق کے بارے میں اس کے نظریہ سے یہاں بحث نہیں ہے) کے نظریہ کے مطابق اُن میں " تنازع للبقا " جاری ہے۔ لیکن اُن کی یہ جدوجہد اُس صلاحیت و استعداد ہی پر منحصر ہوتی ہے جو قدرت نے ہر ایک کو حسبِ ضرورت درجہ بدرجہ عطا فرمائی ہے۔

حیوان کی ہر نوع کو جس طرح کا دل و دماغ دیا گیا ہے اور بقائے وجود و بقائے نسل کی جو سمجھ دی گئی ہے۔ اُس میں کوئی تغیر و تبدل از خود نہیں ہوسکتا۔ مثلاً درندہ ، گھانس نہیں کھائے گا ، چرندہ گوشت نہیں کھائے گا اگر چہ کہ بھوکا مر جائے۔ وغیرہ

فرشتوں کی نسبت یہ معلوم کیا گیا ہے کہ یہ نورانی مخلوق ہے۔ اُن سے خطا و نسیان کا صدور نہیں ہوتا۔ جس قسم کی تسبیح و تہلیل اور جس قسم کی عبادت وغیرہ کے لئے اُن کو پیدا کیا گیا ہے ، وہ اُسی میں لگے رہتے ہیں خطا سرزد نہیں ہوتی اسی لئے فرشتوں کو معصوم بھی کہا جاتا ہے۔

غرض کل کائنات کا وجود اور اُس کی خصوصیات کا ظہور تقادیر الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

قَدْجَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۝ (سورة الطلاق)3

ترجمہ :- یعنے اور اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھرایا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۝(سورة القمر) 49

ترجمہ :- ہم نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ، ایک اندازہ پر پیدا کی ہے۔

اور سب مخلوقات ، اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُس کی حمد کی تسبیح اپنی اپنی زبانِ حال سے جاری رکھے ہوئے ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ط (سورة النور)41

ترجمہ :- کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں کی ہر چیز اور اُڑنے والے پرندے اُس کی تسبیح پڑھتے ہیں اُن میں کا ہر ایک اپنی اپنی نماز اور اپنے ذکرِ الٰہی سے واقف ہے۔

لیکن انسان کو سب مخلوقات کی نسبت اعلیٰ خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے :-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۝(سورة التین) 4

ترجمہ :- ہم نے انسان کو بہترین اندازہ پر پیدا کیا ہے۔

نہ صرف حیات ، بلکہ سمع ، بصر ، کلام ، علم ، ارادہ اور قدرت عطا فرما کر اُس کے استعمال میں اختیار کا کچھ حصہ بھی عطا فرمایا۔ عقل اور

نفسِ ناطقہ سے بھی مزین فرمایا ہے۔ تاکہ معلوم سے نا معلوم ، موجود سے غیر موجود اور جزئیات سے کلیات کا علم حاصل کر سکے۔

دوسری مخلوقات کی طرح محض مجبور ،اور فرشتوں کی طرح معصوم نہیں بنایا ہے۔ بھلے اور برے مفید و مضر کی تمیز عطا فرما دی ہے۔ نظامِ کلی کے تحت قوانین و حدودِ الٰہیہ کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی قوت بھی عطا کی گئی ہے جس کی وجہ سے دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں محدود و مجبورانہ اطاعت سے آزاد ہے۔ اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ چاہے تو اطاعت کرے چاہے تو سرکشی و نافرمانی کرے۔ انسان ایک حد تک مجبور بھی ہے اور ایک حد تک مختار بھی ہے۔ جو باتیں انسان کے اختیار کے باہر ہیں ۔جن باتوں میں وہ مجبور ہے ۔ اُس حد میں اُس پر کوئی ذمہ داری یا جزا و سزا کا تَرَتُّبْ بھی نہیں ہے۔ یہ خصوصیات دنیا کی کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ انسان کے لئے دنیا "امتحان گاہ" ہے۔ جدوجہد کر کے اللہ سے توفیق و مدد کی التجا کرتے ہوئے ، اطاعت ، عبادت وقربتِ الٰہی اور لقائے رب کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسی لئے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس لئے انسان، فرشتوں کے شرفِ قربِ الٰہی پر اشرف بھی ہوسکتا ہے۔!!! "اَسْفَل" بن کر "اَسْفَلُ السَّافِلِیْنْ" کی راہ اختیار کرکے "کَالْاَنْعَام" (چوپایوں کے مانند) بلکہ "اَرْذَلُ الْمَخْلُوْقَاتْ" بھی بن سکتا ہے۔!!

نماز کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں ، اُن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نماز سب مخلوقات کی عبادت کی جامع عبادت ہے ۔ نماز ی "قیام" میں درختوں کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "رکوع" میں چوپایوں کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "سجدہ" میں بیل بوٹے اور رینگنے والے حیوانات کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "قاعدہ" میں جمادات کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح تکبیرات و تسبیح و تہلیلِ نماز میں فرشتوں کی عبادات میں شامل ہوتا ہے۔ اس طرح جامع عبادت کرنا صرف انسان ہی سے ممکن ہے۔

ہر انسان پیدا ہونے کے بعد سے مرنے تک کیا کرے گا۔ کب مرے گا۔ کس قدر نیک کام کرے گا۔ کس قدر برے کام کرے گا۔ اس کا اندازہ ، "خالقِ کائنات" کو ہے جو ہرگز غلط نہیں ہوسکتا۔ یہی "تقدیرِ الٰہی" ہے۔ "وَلَقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ" کا یہی مطلب ہے۔ "وَمَاتَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَاللّٰہ" کا بھی یہی مطلب ہے کہ بندوں کے افعال و ارادے سب اللہ کے علم و ارادہ و مشیت کے مطابق ہیں۔ یہ سب مقادیرِ الٰہیہ ہیں۔

مثلاً حکومت کے کسی محکمہ کا عہدہ دارِ اعلیٰ کسی ملازم کے بارے میں یہ اندازہ کرے کہ یہ خیانت کرے گا یا مفوضہ خدمت بخوبی انجام نہیں دے گا۔ اور یہ اندازہ صحیح نکلے تو اُس کو سزا دی جائے گی، برطرف کردیا جائے گا۔ یہ سزا اُس اندازہ و قیافہ شناسی کی بنا پر نہیں بلکہ صدورِ قصور کی بنا پر دی جائے گی۔ کیونکہ قصور کرنے کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور نہ اس کو یہ معلوم کیا گیا تھا کہ اس سے ایسا قصور سرزد ہونے والا ہے۔ کسی سے قصور سرزد ہونے کا اندازہ صحیح نکلنے میں اور کسی کے حکم سے قصور واقع ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی کے حکم کی بنا پر قصور کیا جائے تو اُس حاکم کو سزا دینے کا حق بھی نہوگا۔!!!

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک "حکم" ہے ایک "تقدیر"، "ارادہ و مشیت" ہے۔ "سزا و جزا" کا تعلق "حکم کی تعمیل و عدم تعمیل" سے ہے۔ کسی انسان کی نسبت اللہ کا علم و اندازہ یہ ہے کہ وہ گناہ کرے گا۔ تو اُس سے ضرور گناہ سرزد ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم و اندازہ غلط نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کے گناہ کی سزا جو دی جائے گی اللہ تعالیٰ کے اس علم و اندازہ کی بنا پر نہیں بلکہ اس کو گناہ نہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اس کی بناء پر سزا دی جائے گی۔ کیونکہ اللہ نے گناہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور کوئی بندہ یہ نہیں جان سکتا کہ خدا کا علم و اندازہ اس کے بارے میں کیا ہے۔!!! اس لئے اس کا فرض ہے کہ خدا کے حکم کی تعمیل کرے۔!!!

کیونکہ دوسری مخلوقات کی طرح انسان کو محض مجبور نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس کو ایک حد تک اختیار دے کر احکام کی تعمیل اس پر لازم کی گئی ہے۔!!!

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (اقبالؔ)

اللہ تعالیٰ نے مجنون و فاتر العقل پر اور نابالغ پر احکام عاید نہیں کئے ہیں۔ اور جو امور انسان کے اختیار سے باہر ہیں اُن کے بارے میں بھی کوئی بار عاید نہیں کیا ہے۔ پیدائش، موت، بارش نہ ہونے کے نقصانات، بارش کی زیادتی اور سیلابوں کے نقصانات، زلزلے، طوفان، سمندری بھونچال، حادثات، جان و مال کا بے اندازہ نقصان اس قسم کے ہزاروں واقعات جو پیش آتے ہیں، چونکہ انسان کی عقل و اختیار سے باہر ہوتے ہیں اس لئے اُن کے بارے میں صبر، رضا و تسلیم اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

اللہ تعالٰی نے بھلے اور برے کی تمیز ، انسان کی فطرت میں جو ودیعت فرمائی ہے۔ اس کا بیان بھی قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ارشاد فرماتا ہے :-

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۝ (سورۃ الشمس) 8

ترجمہ :- اس کو تقوٰی اور بدکاریاں دونوں کا الہامی علم دیا گیا ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (سورۃ البلد)10

ترجمہ :- ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔

فَمَنْ شَآءَاتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر)29

ترجمہ :- جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ (سورۃ الکھف) 29

ترجمہ :-جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

نیز انسان کو آگاہ کر دیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (سورۃ الحجر)39

ترجمہ :- (ابلیس نے) کہا اے رب تونے مجھے گمراہ کیا اس لئے اب میں بھی اُن کے لئے زمین میں زینتیں دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔

اس اہتمام و ہدایت کے باوجود اللہ تعالٰی نے اپنے خلیفوں کے ذریعہ اور صحایف وکتب کے ذریعہ انسان کو ہدایت حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا :-

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ (سورۃ فاطر) 25

ترجمہ :- اُن کے رسول اُن کے پاس بینات اور صحیفے اور روشنی دکھانے والی کتاب لائے۔

غرض خیر و شر کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفاء اللہ کے ذریعہ نازل کئے ہوئے احکام ہی سے ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے "خنزیر" (سور) بھی پیدا فرمایا ہے اور بکرا بھی۔ خنزیر کا گوشت کھانا حرام، بکرے کا گوشت کھانا حلال ہے۔ اسی طرح شراب اور شربت دونوں بھی استعمال کرنے کی چیزیں ہیں۔ لیکن اللہ نے شراب کو حرام، شربت کو حلال قرار دیا۔ بندہ پر فرض ہے کہ خدا نے جس کو شر قرار دیا اُس کے شر ہونے پر ایمان لائے۔ جس کو خیر قرار دیا، اُس کے خیر ہونے پر ایمان لائے اور اس پر عمل کرے۔ اللہ نے خنزیر پیدا ہی کیوں کیا؟ اِس قسم کی بحث پیدا کرنے سے احتراز کرے کیوں کہ ان طریقوں سے رازہائے خداوندی منکشف نہیں ہوسکتے اور بجز الجھنوں کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اعتقاد رکھنے کی رہبری فرمائی ہے کہ :-

" رَبَّنَا وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا "۔الخ (سورۃ اٰل عمران) 191

ترجمہ :- اے ہمارے رب تونے یہ جو کچھ پیدا فرمایا ہے باطل نہیں ہے۔

بے حکمِ شرع آب خوردن خطا ست

وگر خوں بفتویٰ بریزی روا ست (حضرتِ سعدیؒ)

یعنے شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا بھی خطا ہے اور فتویٰ سے کسی کا خون کر دینا روا ہے۔

" يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءَ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ " کا مطلب یہ ہے کہ مشیت کے اس بیان سے بندہ میں خدائے تعالیٰ کی قدرت کا یقین پیدا کیا جائے۔ لیکن کسی کو ضلالت اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور انسان کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کی مشیت کیا ہے۔!!!

اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو بعض تقدیر بدل دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے :-

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٍ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (سورۃ الرعد)39

ترجمہ :- ہر مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔ اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے۔ اصل کتاب تو اُسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ "مسبب الاسباب" ہے۔ اور دنیا کا انحصار اسباب ہی پر ہے۔ اسباب کی تاثیر میں کمی و زیادتی پر وہ قادر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعاء کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ فرماتا ہے :-

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط (سورۃ المُؤمن)60

ترجمہ :- تمہارا رب کہتا ہے ۔ تم مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری دعاء کو قبول کرونگا۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف)55

ترجمہ :- عاجزی اور پوشیدگی کی حالت میں اپنے رب سے دعاء کرو بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے ۔

اور ایک مقام پر خاص انداز میں بت پرستوں سے سوال فرماتا ہے :-

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت)125

ترجمہ :- کیا "بعل" سے دعاء کرتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔

کتب لغت و تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ " بَعْلٌ" آقا ، مالک ، اور شوہر کو بھی کہتے ہیں یہاں وہ بت مراد ہے جس کی پوجا کی جاتی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم اور سامی قوموں میں اس کی پوجا ہوتی تھی ملکِ شام میں " بعلبک" نامی قدیم شہر ہے ۔ اسی " بعل" کی طرف منسوب ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیوتا ، سونے کا تھا۔ چودہ ہاتھ لامبا تھا۔ اس کے چار منہ تھے ۔ توریت میں اس کے تین نام بیان ہوئے ہیں ۔ (1) " بعل" ، (2) " بعل مفو" ، (3) " بعل بریث" ۔ اس کی قربان گاہ میں بچوں کو آگ میں ڈال دینا بہت بڑی قربانی سمجھی جاتی تھی۔ !!!

اللہ تعالٰی نے اپنی خالقیت کی بے مثال شان بیان کرکے اُن پجاریوں کو اُس بت کے بے جان ہونے کی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنے سے دعاء کرنے کی رہبری فرمائی ہے ۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ میں کئی جگہ دعاء کے احکام پائے جاتے ہیں اور قرآنی دعائیں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بھی قرآن و حدیث میں موجود ہیں ۔ اگر اللہ تعالٰی تقدیر بدلنے پر قادر نہ ہوتا تو دعاء کے احکام قرآنِ مجید و احادیث میں نہ پائے جاتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی جن مقادیر کو خود جب تک نہیں بدلتا اُن کا پورا ہونا ضروری ہے ۔ !!!

اسی لئے مشیت کا حیلہ کرنے والوں کو اللہ تعالٰی نے گمراہ ٹھیرایا ہے ۔ ارشاد فرماتا ہے :-

وَاِذَاقِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡامِمَّارَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡيَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّافِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ (سورة يٰس)47

ترجمہ :- جب اُن سے کہا گیا کہ جو کچھ اللہ تم کو دے اُس میں سے (اللہ کے لئے) خرچ کرو تو کافر لوگ مومنین سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں ؟ جن کو خدا چاہتا ہے تو کھلاتا ہے۔ (ان کافروں کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تم لوگ تو کھلی ضلالت ہی میں ہیں۔

اس آئیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ مشیت کا حیلہ کرکے جو لوگ نیک اعمال سے گریز کرنے کی کوشش کرتے ہیں گمراہ ہیں۔ لہٰذا احکام خدا اور رسولؐ کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ ہدایت اختیار کرنے اور ضلالت سے احتراز کرنے کی تمام صلاحیتیں اور اسباب ہدایت کا اہتمام کرنے کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ ہدایت اختیار کرو، ضلالت سے بچو۔ اگر حکم کی تعمیل کرو گے تو جزا پاؤ گے ورنہ سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی دوزخ کے حوالے کرتا ہے اور نہ کسی کے اجر کو ضائع کرتا ہے۔ بلکہ اپنے فضل و احسان کا وعدہ فرماتا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ اور ایک گناہ کا عذاب ایک ہی گناہ کے برابر ہوگا۔

نیز ارشاد فرمایا :-

اِنَّ اِلَيۡنَاۤاِيَابَهُمۡ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ۝ (سورة الغاشية) 26

ترجمہ :- اُن کو ہماری طرف آنا ہے اور اُن کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہدایت حاصل کرنے اور ضلالت سے بچنے کے لئے قرآنِ مجید کی بتلائی ہوئی یہ سیدھی صاف باتیں کافی ہیں۔ ماورائے فہم و قیاس اُمور کی جانب رجوع ہونا اور بے فائدہ بحثوں اور اُلجھنوں میں مبتلا ہونا اور قرآن نے قضا وقدر کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے آگے کھوج لگانے کی کوشش کرنا ، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کے فیضان سے محروم ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔

اَفَلَايَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡكَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِاللّٰهِ لَوَجَدُوۡافِيۡهِ اِخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۝ (سورة النسآء)82

ترجمہ :- کیا تم قرآن میں تدبر نہیں کرتے ؟ اگر یہ قرآن اللہ کے سوائے کسی اور کا ہوتا تو اُس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

اسی لئے امامنا حضرت مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملا معین الدین کے بالواسطہ سوال کے جواب میں "مشیت" کی اہمیت واضح فرمائی کہ بندہ کے نہ صرف افعال و اقوال بلکہ اس کے ارادے و آرزوئیں بھی بے مشیتِ الٰہی نہیں ہیں۔اس کے بر خلاف بحثیں اور الجھنیں پیدا کرنے سے آپؑ نے باز رکھا ہے۔اگر ملا معین الدین پٹنی ، بے جا اعتراضات و مشکلات پیدا کرنے میں مبتلا ہونے کے بجائے حضرتؑ کی خدمتِ فیضدرجت میں حاضر ہوجاتے تو معلوم ہوتا کہ مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی تعلیمات کس قدر عزیمت و عالیت کی حامل ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کو جو اختیار عطا فرمایا ہے اُس اختیار کا استعمال کن اعلیٰ اصولوں پر کیا جاسکتا ہے اور کس طرح "ام القرآن" یعنے عشق و محبتِ الٰہی اور لقائے رب کے مقصدِ اعلیٰ کا حصول آسان ہوسکتا ہے۔!!!

حضرت عبدالقادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمتہ اللہ علیہ نے "فتوح الغیب" میں فرمایا ہے۔

ہر مومن کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔

(1) احکامِ الٰہی کا بجا لانا۔

(2) ممنوعاتِ خداوندی سے احتراز کرنا۔

(3) قضا و قدر سے راضی رہنا۔

"ہر مومن کو چاہیئے کہ اِن تینوں باتوں کو اپنے دل میں مستحکم کرلے۔اپنے اعضاء سے جو کام لے ، ہر حالت میں ان تین باتوں کے مطابق ہو ، بلکہ اپنے تمام ارادوں کو بھی ان تین باتوں کا پابند بنالے"۔ (ملخصاً)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس حد تک بھی اختیار عطا فرمایا ہے ، اس کا استعمال اس کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لئے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے :-

" وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ " (سورة الذّاريات)56

ترجمہ :- میں نے جن اور انسان کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

بعض مفسرین نے " اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ " کی تفسیر میں " اِلَّا لِیَعۡرِفُوۡنَ" لکھا ہے۔ یعنے اللہ نے انسان کو اپنے عرفان ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ کیوں کہ مقصود و منتہائے عبادات، عرفان ہی ہے۔

اس سے پہلے قسطِ اول میں قومِ مہدیٔ موعودؑ کی خصوصیات، آیتِ قرآنِ مجید کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔اور اہم خصوصیت " یُحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗ " یعنے اللہ اس قوم سے محبت کرے گا وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی، بیان کی گئی تھی، اس سے یہ اشارہ بھی ثابت کیاگیا تھا کہ مہدیٔ موعودؑ، عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم دینگے۔

امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بصیرت کے کس قدر اعلیٰ اُصول کی طرف آپؑ نے رہبری فرمائی ہے۔آپؑ سے پہلے کے زمانے میں بھی بہت سارے اولیاء و عاشقانِ خدا گزرے ہیں۔ لیکن اکثروں کو عشقِ الٰہی کے میدان میں صحیح رہبری حاصل نہ تھی۔ چنانچہ بعض گذرے ہوئے اولیاء کے بارے میں آپؑ نے ارشاد فرمایا :-

"ہمارے بھائی نزدیک کا راستہ چھوڑکر چکر کا راستہ چلے۔اور مقصود حاصل کیا۔کیونکہ وہ طلب میں صادق تھے۔ اور مقصود خدا تھا۔آپؑ کے صحابہؓ نے عرض کیا، میرانجیؐ! نزدیک کا راستہ کونسا ہے اور گردش کا راستہ کونسا؟ حضرتؐ نے فرمایا راہِ خدا میں بے اختیار کیوں نہ ہوئے شریعتِ محمدیؐ کے موافق یہی راستہ نزدیک تر تھا۔ انہوں نے اپنے اختیار سے تمام عمر کے روزے کیوں رکھے؟ مباح و حلال چیزوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ سالہا سال کنوؤں میں سرنگوں کیوں لٹکے؟ اور بارہ (12) سال کی قید لگا کر روزے کیوں رکھے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نہیں فرمائے ہیں اور حسبِ فرمانِ خداوندی مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ (جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اُس کے لئے کافی ہے۔) تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہیں رکھا؟ اُن کو چاہیئے تھا کہ بے اختیار ہوجاتے " (شواہد الولایت)

ایک اور موقع پر فرمایا :-

"بے اختیارشو بختیار باش" یعنے بے اختیار ہوجاؤ صاحبِ نصیب بن جاؤ۔ اختیاری بری ہے۔

بے اختیاری، مومن کی زندگی کے ہر شعبہ میں بلکہ حصولِ مقصودِ تخلیق میں بھی بڑی بڑی نازک ماہیتوں کی حامل ہوتی ہے لقاءِ رب اور

دیدارِ الٰہی کی انتہائی منزلوں تک رسائی بھی اِسی بے اختیاری سے ممکن ہوسکتی ہے۔ کسی حال، کسی مقام، کسی منزل میں بھی آپؑ نے شریعت کی خلاف ورزی کو روا نہ رکھا۔ اس لئے یہ کسی بے ہوش یا مست و مدہوش یا نشہ والے کی بے اختیاری نہیں ہے۔

خود امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام "دعوئے مہدیت" سے ایک عرصہ پہلے بارہ (12) سال تک جذب کے عالم میں رہے لیکن خلافِ شرع کوئی کلمہ بھی زبانِ مبارک سے نہ نکلتا تھا۔ اور نہ ایسا کوئی فعل اعضائے مبارکہ سے ظہور میں آتا تھا۔ حالانکہ کسی سے بات کرنے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ اس حال میں بھی کبھی ایک وقت کی نماز قضا نہ ہونے پائی۔ نماز کے وقت نماز کی حد تک ہوش آجایا کرتا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ کے دعوئے مہدیت کے زمانہ میں، اتباعِ کلام خدا اور اتباعِ رسول خدا کا کس قدر بلند مرتبہ ہوگا، جب کہ آپؑ نے دعوئے مہدیت کی صداقت کا ثبوت، اتباعِ کتابِ خدا و اتباعِ رسولِ خدا قرار دیا تھا۔ بے خطا اتباع اس لئے تھی کہ آپؑ منجانب اللہ تعلیمِ بلاواسطہ پر عمل فرماتے تھے!!!

آپؑ کی تعلیمات کی اس خصوصیت کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، وغیرہ احکامِ خدا و رسولؐ کا پابند نہ ہو اور خود اپنے کو کتنا ہی عرفان مآب ظاہر کرے کتنا ہی صاحبِ فیض ثابت کرے اس کو لایقِ التفات نہ سمجھا جائے۔

غرض مقصدِ پیدائش یعنے عرفان کے لئے اتباعِ شریعت بھی ضروری و لابدی ہے۔ نفس کے مطالبات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ابلیس کی مشارکت سے قوتِ مطالبہ میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

(1) بقائے زندگی و صحت کے لئے اچھی غذا، مقویات و لذیذ مشروبات کا مطالبہ۔

(2) راحت اور آرام کے لئے اچھے لباس، اچھے مکان، اچھے اسباب کا مطالبہ۔

(3) بقائے نسل و حظِ نفس کے لئے جنسِ مقابل کا یعنے ازدواجی زندگی کا مطالبہ۔

یہ تینوں مطالبات، مومن کی عدالت میں حاکم کے حکم کی طرح نہیں بلکہ محکوم کی درخواست کے طور پر پیش ہونے چاہیں، جب مومن اس درجہ نفس پر قابو پالے گا تو اس کی عقل و تمیز، احکامِ خدا و رسول کی روشنی میں غور کرے گی۔ جو مطالبہ جس وقت اور جس حد میں منظور کئے جانے کے قابل ہے منظور کرے گی۔ ورنہ رد کر دے گی خواہ اس کی وجہ سے کتنی ہی تکلیف و مصیبت اٹھانی پڑے۔

فرض کیجئے ایک شخص بھوکا ہے، جس طرح چاہے پیٹ بھر لینے کی قوتِ امتیازی رکھتا ہے۔ اور نفس کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جلد سے جلد کھانا ملے۔ غذا موجود بھی ہے۔ لیکن وہ ملکِ غیر ہے یا ناجائز یا حرام شئی پر مشتمل ہے۔ ایسی صورت میں عاشقِ خدا، اپنے فطری اختیار کا مالک رہنے کے باوجود بے اختیاری اختیار کرے گا۔ یعنے خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف اپنا اختیار استعمال نہیں کرے گا۔ اپنے نفس کی ایسی درخواست کو قبول نہیں کرے گا۔ جو احکامِ شرع کی خلاف ورزی کا موجب بن سکتی ہو۔ ہر حالت میں اپنے اختیار اور اپنی عقل و تمیز کو خدا و رسولؐ کے احکام کا تابع رکھے گا اس کا مقام اس شعر کے مطابق ہوجاتا ہے۔

من بندۂ آزادم ، عشق است امامِ من !

عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من !!

اس شعر میں "آزاد" سے مراد "مختار" ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو جس حدتک مختار بنایا ہے، اس کا سب سے اعلٰی اقتضاء یہ ہے کہ عشقِ الٰہی اختیار کرے۔ اس طرح عقلِ حیلہ جو بھی غلام بن جائیگی اور خدا و رسولؐ کے احکام سے سرتابی نہوگی۔

اللہ تعالٰی " خَالِقُ الْکُلِّ مَالِکُ الْمُلْکُ " ہے۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ اپنے خالق کو مالکِ حقیقی تسلیم کرے۔ اپنے اختیار کو اتنا بے لگام نہونے دے کہ اُس مالکِ حقیقی سے سرتابی لازم آئے۔ اللہ تعالٰی کا فضل و احسان یہ ہے کہ اُس نے انسان کو معرفت کی قوت بھی عطا فرمائی۔ اور فرمایا کہ :-

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق (سورۃ البقرہ) 29

ترجمہ :- وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کی ہر چیز تمہارے لئے پیدا کی ہے۔

موجودات میں ان کے خواص و اعمال کا باہمی اِرتباط اور ایک کی دوسرے کے لئے جو ضرورت ہے محتاجِ بیان نہیں۔ ورنہ آج دنیا میں ہر جاندار کی زندگی محال ہوجاتی ہے۔ انسان بھی اسی وجہ سے زندہ ہے۔ چونکہ انسان کو معرفت کی قوت عطا کی گئی ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ کھانا، کپڑا، مکان اور بیوی بچوں ہی میں منہمک ہوکر اپنے خالق و مالک و محسنِ حقیقی سے غافل نہوجائے ورنہ انسانیت کا مقام باقی نہ رہے گا۔ حیوانیت میں اس کا شمار ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حیوانیت کی تشبیہ کے قابل بھی نہ رہے گا۔ کیونکہ حیوان تو اپنی اپنی حد میں اطاعت ، نماز اور ذکر سے غافل نہیں ہیں ۔اگر چہ کہ ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن خود خالقِ کائنات فرما رہا ہے :-

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّیۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ ؕ (سورۃ النور)41

ترجمہ :-کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں کی ہر چیز اور اُڑنے والے پرندے اللہ کی " تسبیح " پڑھتے ہیں اور اُن میں کا ہر ایک اپنی نماز اور اپنے ذکرِ الٰہی سے واقف ہے ۔

غافل انسان کو اللہ تعالٰی نے کئی طریقوں سے خبردار کیا ہے۔ اپنے اختیار اور اپنی عقل و قوتِ معرفت کو صحیح راستہ پر لگانے کی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ سب کچھ امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے :-

اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡہَا صَعِیۡدًا جُرُزًا ۝

(سورہ الکہف)7

ترجمہ :- روئے زمین میں جو کچھ ہے اس کو ہم نے زینت کے لئے بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو جانچیں کہ کون اُن میں اچھا عمل کرنے والا ہے ۔ اور ہم اس کو مٹا کر چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار

شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری (حضرت سعدیؒ)

یعنے ابر و ہوا ، چاند و سورج اور آسمان سب اپنے اپنے مقررہ کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تجھکو ایک روٹی میسر آئے اور تو منعمِ حقیقی سے غافل رہ کر نہ کھائے جب کہ یہ سب تیرے ہی لئے سرگشتہ و فرماں بردار ہیں ، اگر تو فرماں برداری نہ کرے تو یہ شرطِ انصاف کے خلاف ہوگا۔

زمین میں جو، تنا ، تخم بونا ، کسان کے اختیار میں ہے لیکن ہوا ، پانی اور موسم کی موافقت وغیرہ اُمور اس کے اختیار سے باہر ہیں۔ اس لئے ، قدرت کی امداد کا مجبور و محتاج ہے۔ لیکن مجبور ہوکر قدرت کی طرف رجوع ہونے سے بہتر یہی ہے کہ اپنے اختیار سے خدا سے محبت اوراس کی قدرت پر یقین پیدا کرے۔ سب کچھ خدا ہی کی ملک سمجھے۔ ہر منزل میں اور ہر حالت میں خدا کی اطاعت اختیار کرے۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے !!

حضرت امامنا علیہ السلام نے ملکیت کے تصور ہی کو یکسر بدل دینے کی ہدایت فرمائی۔ کیونکہ " اَنا " (میں) کے احساس کے ساتھ ہی انسان میں ملکیت اور تصرف وجود پاتے ہیں۔ ملکیت اور تصرف کے لئے فرائض و حقوق کا ادراک ضروری ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان سینکڑوں ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نفس دھوکہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہم جنسوں پر اپنی فوقیت جتانے کا جذبہ مال و زر کی حرص و اقتدار کی ہوس ، شہرت اور عزت کی خواہش وغیرہ سینکڑوں مفاسد کی جڑ یہی " انانیت " ہے۔ تفصیل کا یہ محل نہیں۔ غرض ملکیت اور تصرف ہی کے لئے جوابدہی ہے۔!!! دنیا میں زیادہ تر جھگڑوں کا سبب بھی " اَنا " کا احساس ہی ہے۔ اگر یہ تابع فرمان ہوجائے اور فنائیت اختیار کرلے تو پھر کوئی جھگڑا بھی نہونے پائے گا۔

امامنا مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے " میں پن " کے احساس کو ختم کر دینے کی تعلیم فرمائی ہے۔ اللہ کی ملکیت کا تصور اس درجہ مسلط کرلیا جائے کہ کھانے والا اللہ کے نام سے کھائے اور کھلانے والا اللہ کے نام سے کھلائے تو اس کی وجہ سے بہت ساری قباحتوں اور نا انصافیوں سے انسان بچ سکتا ہے۔ اور اندرونی و بیرونی شرارتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے یہ بات قرآنِ مجید کی آیات سے بھی ثابت ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ هُوَاَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَاَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّاذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَالَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (سورۃ الانعام) 117

ترجمہ :- بے شک تراب وہ ہے جوکہ اُس شخص کو خوب جانتا ہے جوکہ اللہ کے راستہ سے بہک جاتا ہے اور اللہ اُن لوگوں کو بھی خوب

جانتا ہے جو ہدایت کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔ جس چیز پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، وہ چیز کھاؤ۔ اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے ہو اور تمہارے لئے کیا وجہ ہے کہ وہ چیز نہ کھائیں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ط (سورة الانعام) 121

ترجمہ :- وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اور بے شک وہ فسق ہے۔

اِن آیات کو مفسرین و فقہاء نے ذبیحہ سے مخصوص کیا ہے۔ یعنے جس حلال جانور کو ذبح کیا جائے اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ ورنہ اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ اس تفسیر کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اِن آیات کی عمومیت میں یہ خصوصیت بھی داخل ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر صرف ذبیحہ سے مخصوص کردیا جائے تو " اَلْمُطْلَقُ يَجْرِىْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ " (مطلق اپنی اطلاقیت پر ہی جاری رہے گا) کا اُصول باقی نہ رہ سکے گا۔

اِن آیاتِ شریفہ میں کھانے کے بیان کے موقع پر " مِمَّا " واقع ہوا ہے اس لئے معنی یہ ہوں گے "کھانے کی ہر چیز" کیونکہ "مِمَّا" عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر وہ چیز کھانے سے احتراز آئیہ شریفہ کے حکم کے تحت ہوگا۔ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اسی لئے ہر مومن نہ صرف جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے بلکہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بھی " بسم اللہ " ضرور کہتا ہے۔

چونکہ حلال جانور بھی کھانے کے لئے ہی ذبح کرتے ہیں اس لئے ذبح کے وقت بھی اللہ کا نام لیا جانا ضروری ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ لوگ بت وغیرہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ اس کے بجائے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی جانور ذبح ہوسکتا ہے تو صرف خالقِ کائنات ہی کے لئے اور اسی کے نام سے ذبح ہوسکتا ہے۔

مسلمہ ضابطہ ہے کہ " عام " میں "خاص" شامل رہ سکتا ہے لیکن " خاص " میں " عام " شامل نہیں رہ سکتا۔ اس لحاظ سے آیاتِ مذکورہ کی عمومیت میں حلال جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی خصوصیت بھی شامل ہوسکتی ہے۔

غرض یہ کہ کھاتے وقت یا کسی کو دیتے وقت اللہ کے نام سے کھایا اور دیا جائے تو یہ عمل بھی اُن آیاتِ کریمہ کی اتباع میں شامل رہے گا۔

لیکن امامنا علیہ السلام نے خصوصاً متوکل علی اللہ میں اللہ تعالٰی سے کامل وابستگی پیدا کرنے کے لئے یہ لازم قرار دیا کہ کھانے کی چیز ہو یا استعمال کرنے کی، ہر وہ چیز جو متوکل علی اللہ کو دی جائے اللہ کے نام سے دی جائے اور وہ بغیر اللہ کے نام کے قبول نہ کرے۔ اسی لئے مہدوی فقرائے کرام کی خدمت میں کچھ پیش کرنا ہو تو "اللہ نے دیا ہے" لازماً کہتے ہیں۔

اس فرمانِ واجب الاذعان کی "وجہِ حَسَن" کو اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن سب ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس طریقہ کی وجہ سے "میں پن" اور "ملکیت" کا احساس باقی رہنے نہیں پاتا۔ رزاق و کفیلِ حقیقی پر سے طرفین یعنے دینے والے اور لینے والے کی نظر ہٹنے نہیں پاتی۔ دینے والے میں تفاخر یا کبر و غرور اور لینے والے میں غیر اللہ سے عجز و نیاز کا جذبہ اُبھرنے نہیں پاتا۔!!

گریہ "اللہ الصمد" دل بستہ!

از حدِ اسباب بیروں جستہ!!

امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ عبادت اور ریاضت کا تعلق بھی صرف اللہ سے ہو۔ عام طور پر عبادت و ریاضت دنیا کے لئے ہوتی ہے یا دین کے لئے۔ !!کوئی شخص مفلوک الحال یا مصیبت زدہ و پریشان ہو تو مصیبتوں اور آفتوں سے نجات پانے کے لئے اللہ سے ڈر کر امیدوارِ رحم ہوکر، نماز اور وظائف وغیرہ شروع کردیتا ہے تاکہ مصائب دور ہوں "عُسر" "یُسر" سے بدل جائے۔ اس صورت میں نماز و ریاضیت کی غرض اسباب دنیاوی قرار پائینگے۔

اسی طرح بعض لوگ دوزخ کے عذاب کے خوف، جنت کے شوق اور ثوابِ دنیا و آخرت کے حصول کی نیت سے نماز، روزے اور وظائف وغیرہ پر عمل کرتے ہیں یہ سب دنیاکی خوشیوں اور آخرت کے لئے رجوع الی اللہ ہوتے ہیں۔ گویا اپنے لئے اللہ کو چاہتے ہیں۔ اللہ کے لئے اللہ کو نہیں چاہتے۔!!

امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی بنیاد یہ ہے کہ عبادات و اذکار وغیرہ اعمالِ حسنہ کا مقصود و مطلوب صرف ذاتِ باری تعالٰی ہو۔ اپنے اختیار کو اللہ تعالٰی کے لئے اللہ تعالٰی کے احکام کے تابع کر دیا جائے۔ یہی بے اختیاری ہے۔!!!! ہر مومن کی صلاحیت و استعداد کے مطابق بفضلِ خدا، بے اختیاری کا بلند سے بلند مرتبہ حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلعم نے بھی اصحابِ صفہؓ کو بے اختیاری کی خاص طور پر ایسی ہی تعلیم دی تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اُن فقراء کی شان میں فرمایا ہے:-

" لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " (سورة البقرا) 273

ترجمہ :- اُن فقراء کے لئے ہے جنہوں نے اللہ کے راستہ میں اپنے کو محصور کر لیا ہے۔

احصار فی سبیل اللہ بھی بے اختیاری کا ایک مقام ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ امامنا مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تعلیمات ، عشق و محبتِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہیں جن میں اللہ کو اللہ کے لئے چاہنے ، عرفان اور وصال الی المطلوب کے اُصول معلوم کئے گئے ہیں ۔ جس کی وجہ سے مومن کی بے اختیاری کی زندگی اس آئیہ کریمہ کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (سورة الانعام)162-163

ترجمہ :- کہو (اے پیغمبرؐ) بے شک میری نماز ، میری قربانی ، میرا جینا ، میرا مرنا ، سب کچھ صرف اللہ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ۔ اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

یہ بات کئی بار بیان کی گئی ہے کہ پیغمبرِ آخر لزماں ، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ قیامت تک پیدا ہونے والی انسانی دنیا کے لئے آخری کتاب ، قرآنِ مجید جو نازل کی گئی ، اس کی اصل تعلیم ، عشق و محبت اور طلبِ دیدارِ الٰہی ہے۔ اس تعلیم کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں " اُم القرآن " کہا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کو ہر مومن کے لئے خواہ اُمی ہو یا عالم ، " فرضِ عین " قرار دیا جاتا ہے۔

چونکہ احمد مجتبیٰ ﷺ ، " عشقِ حقیقی " ، " حبِ ازلی " کے " مظہرِ اتم " ہیں ، اس لئے انتہائی ارتقاء فنا کا علمِ معرفت آپؐ کو عطا کیا گیا۔ اور آپؐ کے ذریعہ قرآن جو نازل کیا گیا ، اس میں اس کی تعلیم ودیعت فرمائی گئی۔

لیکن غافل انسانوں کا یہ حال ہے کہ " علومِ قرآنیہ " میں اس اعلیٰ و ارفع " علمِ عرفان " کی خصوصیت کی جانب توجہ کرنا تو کجا ، خود رسالتمآب ﷺ کے مراتب و خصوصیات سے بھی ناواقف ہیں۔ ایسے لوگوں میں " عشقِ الٰہی " کا ذوق پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان کی

عقل ، اُن کے ادراکات ، فضول خیالات و بے فائدہ اُمور و توہمات میں منہمک ہوجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ علمائے ظواہر کا بھی یہی حال ہے۔

مثلاً جس زمانہ میں " فلسفہ ءِ یونان" عروج پر تھا۔ عالمِ اسلام میں بھی اس کی شہرت ہوچکی تھی۔ علمائے ظواہر کا زیادہ وقت ، انہی مباحث میں گزرتا تھا۔ فلسفہ کی عام مقبولیت کی وجہ سے علمائے معقول نے یہ دعویٰ کردیا تھا کہ عقاید و مسائلِ اسلام ، فلسفہ کے مطابق ہیں۔ اس لئے " مسائلِ شرعیہ" کو مباحثِ فلسفہ سے مطابق کرنے میں منہمک ہوگئے۔ اس کام میں سینکڑوں تاویلیں کرنی پڑی ، ہزاروں لغزشیں ہوئیں۔

ع۔ خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

صادق آرہا تھا یہ صورت زیادہ تر ، معترضین کے اعتراضات کو دفع کرنے میں پیش آتی رہی ، کیونکہ معترضین اپنے مزعومہ جن اُصول کے تحت اسلامیات پر اعتراض کرتے تھے ان ہی اُصول کے تحت جواب ادا کرنے اور اسلام میں اُن کی موافقت ثابت کرنے کی سعیِ بلیغ کی جاتی تھی۔

ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی۔ سر سید احمد خاں اور اِسی قبیل کے لوگوں کی تالیفات میں بھی ، جنت ، دوزخ وغیرہ کئی "امورِ اسلامیہ" کے بارے میں " تاویلاتِ بعیدہ و باطلہ" پائی جاتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ علمائے متشرقینِ مغرب کے اعتراضات کو دفع کرنے میں اُن کے اُصول کو پیشِ نظر رکھکر مسائلِ اسلام کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اُن لوگوں کی نیت اور غرض نیک تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محکماتِ قرآن و حدیث منشاءِ خدا و رسولؐ کی پیروی نہیں ہوسکی۔

یہی صورت آج سائنس اور سائنس دانوں کی مقبولیت کی وجہ سے اسلامی مسائل میں پیش آرہی ہے۔ اکثر لوگ قوف کو جدت پسند ثابت کرنے اور سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کو خوش کرنے کے لئے عقاید و شرایع اسلام کو سائنٹفک ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ، ہر روز اس نوع کے لٹریچر میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

حالانکہ طبعی سائنس میں مادہ توانائی اور اس کے خواص سے بحث کی جاتی ہے۔ موجودات کے مطالعہ اور شواہد و تجربات سے شئ کی ماہیت و خاصیت معلوم کی جاتی ہے۔کیونکہ اس سے فوائد حاصل کرنے میں اور ایجادات میں مدد ملتی ہے۔سائنس کے اُصول و ضوابط اور کلیات ، ماہرینِ سائنس نے تجربات و مشاہدات کی بنا پر مقرر کئے ہیں۔ان علوم سے حیاتِ انسانی کے شعبوں میں لاتعداد فوائد پہنچے اور پہنچتے جارہے ہیں۔اس کو بجا طور پر خدمتِ خلق بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

" برق " ، " لاشعاع " ، " اثیر " اور " ایٹم " وغیرہ کی تحقیقات سے جو تجربات کئے جارہے ہیں ، جو حیرت ناک ایجادات ہورہی ہیں ، سب لایق تعریف و تحسین ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ " اثیر " فی ثانیہ (سکنڈ) ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار کی حامل ہے۔اس لئے ساری دنیا میں دایر و سایر ہے۔ اس تحقیق کے بعد جو تجربات کئے گئے ان کی بدولت ، ریڈیو ، ٹیلیفون ، ٹیلی ویژن ، لاسلکی وغیرہ ایجادات کئے جاسکتے ہیں۔جن کے ذریعہ نہ صرف آواز ، ہزاروں میل دور پہنچتی ہے بلکہ متکلم کی تصویر بھی منعکس ہوجاتی ہے۔ حتیٰ کہ ڈھائی لاکھ میل سے زیادہ دور " خلا " سے خلائی جہاز کے ذریعہ زمین کو چاند کی تصاویر اور پیامات وصول ہورہے ہیں۔

اسی طرح " لاشعاع " کے ذریعہ طبی دنیا میں عظیم انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔جسم کے اعضاء کی ہڈیوں کی تصاویر لینا اور اُن کے عوارض کی ٹھیک تشخیص ممکن اور آسان ہوگئی ہے۔

یہ سب حقایق ہیں ان سے انکار محال ہے۔!! بلکہ محققینِ اسلام نے افادیت رکھنے والے ایسے تمام علومِ غیر شرعیہ کی تحصیل کو " فرضِ کفایہ " میں شمار کیا ہے۔اس کی صراحت آگے بیان ہوگی۔

لیکن اللہ کے خلیفوں کی بعثت ، اُن کا وجود ، اُن کی روحانیت ، اور اُن کے ذریعہ بھیجے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام ، بجائے خود ایک خصوصیت رکھتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ بعض یا اکثر مسائلِ اسلام میں اُصولِ فلسفہ یا اُصولِ سائنس کی مطابقت پائی جاتی ہے ، لیکن اُن اُصول کی

مطابقت کو معیارِ تسلیم ، قرار دینا ، از روئے اُصولِ دین ، صریحاً باطل ہے۔ کیونکہ شرائع انبیاء علیہم السلام کی بنیاد ، فلسفہ یا سائنس پر نہیں ہے۔ بلکہ خدائے تعالٰی کے احکام پر ہے۔

افسوس کہ حضرت احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے وجودِ مبارک کو حتیٰ کہ قرآنِ مجید کو بھی طبیعی سائنس کے نظریات کے معیار پر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ اللہ تعالٰی جل شانہٗ کی ذاتِ منزہ من التشبیہات کو بھی طبیعی ، قرار دینے کی جرائت و جسارت سے دریغ نہیں کیا جارہا ہے۔ اور اس کو بڑا کارنامہ سمجھا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو " سائنٹفک قرآن " وغیرہ۔

اس موقع پر ایک اور مضمون نگار صاحب کے بعض اقتباسات درج کیئے جاتے ہیں:۔

" اس سے پہلے کہ آنحضرتؐ ، نبوت کی گرانباریوں کو سنبھالیں قوم کی گمراہی نے آپؐ کو چونکا دیا۔۔۔۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس کو ایک دعوت ، ایک فلسفہِ حیات اور پیغام کی شکل میں کیونکر پیش کیا جائے۔ انسان میں احساسِ شرف کیونکر بیدار ہو۔ اقدارِ خیر کس طرح پروان چڑھیں اور علم و ادراک کے قافلے کس منزل کی طرف بڑھیں۔ ہاں ایک ایک سوال ایک ایک الجھن ، دل و دماغ میں تشویش و الم کے طوفان اٹھا رہی تھی۔ آپؐ نے ان مسائل پر غور و فکر کی ٹھان لی اور جیتے جی ان سے عہدہ برا ہونا ہے لیکن کس طرح۔۔۔۔۔

آپؐ نے سوچا کہ کہیں گوشہ نشین ہو جائیں کہ اس سے بھی فکر کے دبستان سجانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کو پانے اور حاصل کرنے کے لئے جو جگہ پسند کی گئی وہ ایک غار تھا۔۔۔۔۔ یہ بھی نہیں کہ صوفی و راہب کی طرح قلب کی پناہوں کے ذریعے کسی حقیقت کو اچک لینے میں کامیاب ہوجائیں۔ اس کے بر عکس ان کا اسلوبِ کار یہ ہے کہ اللہ کے سامنے بار بار جھکیں ،سجدے کریں ، روئیں ، تضرع و الحاح سے دعاء مانگیں ، اپنی عبودیت کو بیدار کریں ، ابھاریں اور اس طرح اس کی ربوبیت اور رحمت کو اکسانے میں کامرانی حاصل کریں۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہو کہ اللہ کا یہ بندہ جوں ہی عبادت سے فارغ ہوا، جبرئیلِ امینؑ نے مژدۂ وحی سنایا، گویا سجدہ و رکوع ، خشوع و خضوع کامیاب ہوا۔ کنگروِ عرفان میں جنبش ہوئی ، رحمتِ حق جوش میں آئی اور انسان کو پیغام سے نوازا گیا۔ جس میں اس کی تمام مشکلات کا قیامت تک کے لئے حل موجود ہے۔"

گویا عطائے منصب ختمِ نبوت اور نزولِ قرآن آپؐ کے کسب و کوشش کا نتیجہ ہے۔ ایسی باتیں حقایق و معارف اور محکماتِ قرآنِ مجید کے سراسر منافی ہیں۔ افسوس کہ صوفی اور راہب دونوں کو ایک ہی منزل میں پیش کردیا گیا۔ حالانکہ دونوں میں اسلامیت اور غیر اسلامیت کا بین فرق ہے۔

غرض حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عام انسانوں بلکہ خاص الخاص انسانوں کی فطریات اور نیچرل اُصول کا تابع قرار دینا صحیح طریقہء کار نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ کی ذاتِ مبارک، وہابِ تعالٰی جل شانہٗ، کی شانِ وہبیت کی مظہرِ اتم و اکمل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالٰی نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا کہ :-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔الخ (سورۃ ال الکہف) 110

ترجمہ :- کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالٰی ہدایت کا کام اپنے منتخب انسان ہی کے ذریعہ لینا چاہتا ہے اس لئے آپؐ کی پیدایش، انسانوں کی طرح ہوئی اور آپؐ کا وجودِ مبارک بظاہر انسان ہی کے جیسا تھا لیکن اللہ تعالٰی نے ساتھ ہی یہ خصوصیت بھی واضح کرادی۔

يُوْحٰٓى اِلَيَّ (سورۃ الانعام)50

ترجمہ :- میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

یہ وہبیت کی ایسی اعلٰی خصوصیت ہے کہ عالمِ بشریت میں آپؐ کا مقام ممتاز اور بلند و برتر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ خصوصیتِ وہبیت دوسرے انبیاء و مرسل علیہم السلام کو بھی حاصل رہی ہے لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیتِ اعلٰی یہ ہے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدایش کے پہلے ہی سے آپؐ کی نبوت کے نورِ مبارک کا ظہور ہوچکا تھا چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :-

" كُنْتَ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ "

ترجمہ :- میں نبیؐ اُس وقت تھا جب کہ آدمؑ مٹی اور پانی میں تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صاحبِ نبوت ہونا، آپؐ کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ خالقِ کائنات جلِ شانہٗ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے پہلے ہی آپؐ کے نور کا، سرورِ کائنات کی حیثیت سے ظہور فرمادیا تھا۔

حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ نے "خصوص" میں مذکورالصدر حدیثِ شریف کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے:۔

" وَغَیْرِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ مَاکَانَ نَبِیًّا اِلَّا حِیْنَ بُعِثَ وَ کَذَالِکَ خَاتِمُ الْاَوْلِیَاءِ وَکَانَ وَلِیًّا وَآدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَغَیْرِہٖ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ مَاکَانَ وَلِیًّا اِلَّابَعْدَ تَحْصِیْلِ شَرَایَطِ الْوِلَایَۃِ "

ترجمہ :۔ آپؐ کے سوائے جتنے انبیاء ہیں وہ نبی اُس وقت ہوتے ہیں جب کہ اُن کی بعثت ہو۔ اسی طرح خاتم الاولیاء اُس وقت سے ولی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی جارہی تھی۔ تمام اولیاء کے سوائے جو ولی ہوتے ہیں وہ اُس وقت ولی ہوتے ہیں جب کہ اُن کو ولایت کی شرایط حاصل ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کی شانِ وہبیت بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ جس طرح تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نبوت و رسالت میں اور حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت و رسالت میں خصوصیات کا فرق ہے اُسی طرح تمام اولیاء کی ولایت اور خاتم الاولیاء کی ولایت میں خصوصیات اور مراتب کا فرق ہے۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خاتم الانبیاء کا منصب، محمد ﷺ کے ذاتی کسب وکوشش کا نتیجہ نہیں تھا۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ خاتم الانبیاء کے افضل الانبیاء و المرسلین ہونے کی علتِ تامہ یہی ہے کہ آپؐ کے نور کا ظہور، حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے پہلے ہوچکا تھا۔ تمام انبیاء و مرسلین کے انوار، اُسی نور سے ظہور پاتے ہیں۔ جس کو "حبِ ازلی"، "عشقِ حقیقی"، "مبداءِ ولایت" اور "تعینِ اول" کہتے ہیں۔

یہ بات واضح ہوچکی کہ نبیءِ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ منصبِ خاتم الانبیاء پر جو فائز ہوئے اور آپؐ پر قرآنِ مجید نازل ہوا، یہ آپؐ کے کسب اور ذاتی جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس لئے آپؐ کی نبوت اور ولایت کی طبعئ سائنس (فزیکل سائنس) نیچرل اصول کا تابع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ آپؐ کے وجودِ مبارک اور منصبِ عظیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہابِ تعالیٰ نے خلقتِ کائنات اور خلقتِ

ابو بشر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی آپؑ کو "عشقِ حقیقی" کا مظہر گردانا ہے۔ جسے صوفیہ کرام رحمہ اللہ علیہم کی اصطلاح میں "تعینِ اول" کہا جاتا ہے۔

اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ مسئلہ "الٰہیات" یعنے مافوق الطبیعیات **(Metaphysics)** سے تعلق رکھتا ہے۔

"تعینِ اول" کا مسئلہ صوفیائے کرام میں مشہور و متعارف ہے۔ اس کی بناء "عشقِ حقیقی" سے نسبت رکھتی ہے۔ کمالِ محبت کو "عشق" کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں "عشق" بھی ایک صفت ہے۔ کمالِ علم کے ساتھ کمالِ محبت، صرف واجبِ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) میں پایا جاتا ہے۔ ممکنات (موجودات) میں نقوص ناطقہ کو جا کمالِ محبت حاصل ہوتا ہے۔ اس میں علم و عقل اور محبت کے زوال کا بھی امکان رہتا ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص الخاص بندے ایسے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے زوالِ کمالِ محبت سے محفوظ فرمایا تھا۔ جیسا کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء صلی اللہ علیہا وآلہا واصحابہا و سلم کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ عشقِ حقیقی کے مظہرِ اتم تھے۔

فخرالدین عاوقی نے "لمعات" میں ظہورِ عشقِ حقیقی کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبارِ ظاہر، دوسرا اعتبارِ باطن۔ اعتبارِ ظاہر سے مراد، عاشق، اور اعتبارِ باطن سے مراد معشوق ہے۔ تحریکِ تجلیِ ذاتی سے باطنِ ذات صیقل دار آئینہ ہوگیا۔ جس میں باری تعالیٰ کے ظاہر وجود کا حسن جلوہ گر ہوا۔

یہی حبِ ذاتی "عشقِ حقیقی" مبدءِ ولایتِ محمدیہ ہے۔ جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "تعینِ اول" کہتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی یہی ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین کو اسی نورِ ولایتِ محمدؐیہ کا فیضان حاصل رہا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح چاند، منور ہونے میں آفتاب کی ضیاء باریوں کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح ولایت کے بغیر نبوت، منور نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت کو آفتاب سے اور نبوت کو ماہتاب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی نبی، اس وقت تک مرتبۂ نبوت پر فائز نہیں کیا جاتا، جب تک کہ اس کو پہلے نورِ ولایت سے مشرف نہ کیا جائے۔

اس سے قبل ایک حدیثِ شریف درج کی گئی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :-

" میں اُس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے ۔"

اس حدیثِ شریف کی شرح حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ نے جو فرمائی ہے ۔ ناظرین کی سہولت کے لئے اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے ۔

"خاتم الانبیاء کے سوائے ہر نبی اس وقت نبی ہوتا ہے جب کہ وہ مبعوث ہو، اسی طرح خاتم الاولیاء بھی اس وقت سے ولی ہیں جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے ۔ اور آپؐ کے سوائے ہر ولی اس وقت ولی ہوتا ہے جب کہ اس کو ولایت کی شرائط حاصل ہوں ۔"

جب حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ، آپؐ نبی تھے تو ماننا پڑتا ہے کہ نبی ہونے سے پہلے آپؐ نورِ ولایت سے مشرف تھے ۔ یہ ایسا خاص الخاص " نورِ ولایت " ہے جس کو " ولایتِ محمدیہ " کہا جاتا ہے ۔ اس لئے آپؐ کی نبوت کا منصب تمام انبیاء و مرسلین میں اولیت ،آوّلویت اور خاتمیت کی شان کا حامل ہے ۔

" حقیقتِ محمدیؐ کے باب میں صوفیائے محققین و علمائے متکلمین کی معرکتہ الآرا بحثیں پائی جاتی ہیں ۔ علامہ سید شریف جرجانی رحمتہ اللہ علیہ نے تعریفات میں لکھا ہے :-

الحقیقة المحمدیة هی الذات مع التعین الاول و هوالاسم الاعظم

یعنی حقیقتِ محمدیہ وہی ذات ہے (جس کا ظہور) تعین اول کے وقت ہوا اور وہی اسمِ اعظم ہے ۔

" تحفۂ مرسلہ " میں لکھا ہے :-

والمرتبة الثانية مرتبۂ تحرمن الاول وهی عبارة عن علمه تعالیٰ لذانه و صفاته و بجمیع الموجودات علیٰ وجه الاجمال من غیر امتیاز بعضها عن بعض و هٰذا المرتبة تسمیٰ بالوحدة والحقیقة المحمدیة ۔

حاشیہ :- (مقت) " مع " یعنی " وقت " مثلاً مع العشیة رات کے وقت (المنجد)

ترجمہ :- دوسرا مرتبہ ،تعینِ اول کا مرتبہ ہے ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات و صفات اور تمام موجودات کا علم، بغیر تفصیل کے ہونا مراد ہے اور اس مرتبہ کو وحدت اور حقیقتِ محمدیہؐ کہا جاتا ہے ۔

" نفسِ رحمانی " علمِ تصوف کی مشہور و متداول کتاب میں لکھا ہے :-

و ایں مرتبہ را حقیقتِ محمدی می گویند کہ ظہور و اثرآں محمدؐ ﷺ است۔ اگر ظہورِ محمد علیہ السلام نبودے ہیچ موجود از موجودات ظاہر نہ شدے و برائے ایں درحقِ حبیبِ خود فرمودہ لولاک لما خلقت الافلاک بلکہ لولاکہ لما اظہرت ربوبیتی۔

ترجمہ :-اس مرتبہ کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا ظہور و اثر محمد ﷺ ہیں ۔ اگر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور نہ ہوتا تو موجودات سے کوئی بھی موجود، ظاہر نہ ہوتا۔ اس لئے اپنے حبیب محمد ﷺ کے حق میں (حدیثِ قدسی) میں فرمایا ۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک پیدا نہ کرتا بلکہ اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت ظاہر نہ کرتا۔

" مقصدِ اقصیٰ " میں اس مسئلہ کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

چوں نزؤل و عروج " جوہرِ اول " را دانستی و بزرگی " جوہرِ اول " را شنیدی کنوں بداں کہ رسول اللہ صلعم می فرماید کہ " جوہرِ اول " ما خلق اللہ روحی و دیگر آمدہ است۔ اولِ ما خلق اللہ نوری چوں " جوہرِ اول " ، روحِ محمد علیہ الصلوٰۃ و السلام پیشِ ازاں کہ بایں عالم آمد پیغمبرؐ خبر داد کہ کنت بنیا و آدم بین الماء والطین و اکنوں کہ ازیں عالم رفتہ است۔ ہم پیغمبر باشد و ازیں معنی خبرداد کہ "لا نبی بعدی ۔ اے جانِ من ہر چند کہ صفت بزرگوارئ محمد صلعم بکنم از ہزاریکے نہ گفتہ باشم و چند صفتِ جوہرِ اول بکنم ہیچ نہ کردہ باشم۔

ترجمہ :- " جوہرِ اول " کے عروج و نزول کو تم جان چکے ۔ اور " جوہرِ اول " کی بزرگی کو سن چکے ۔ اب یہ جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " جوہرِ اول " میری روح ہے ۔ اللہ نے پہلے میری روح کا ظہور فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ نے پہلے میرے نور کو ظاہر کیا۔ جب جوہرِ اول ، روحِ محمد علیہ السلام ہے تو معلوم ہو کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے آپؐ پیغمبر تھے ۔ اسی لئے آپؐ نے خبر دی کہ " میں اُس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے ۔ اور اب جب کہ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ۔ اب بھی پیغمبر ہیں ۔ اسی لئے آپؐ نے خبر دی کہ " میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ " اے جانِ من ! جو کچھ کہ صفت اور بزرگی محمد ﷺ کی میں نے بیان کی ہے ہزار

میں ایک بھی نہیں ہے۔ اور جو کچھ " صفتِ جوہرِ اول " کی بیان کروں، کچھ بھی بیان نہ کرنے کے برابر ہے۔

ان حوالوں میں جو احادیث آئی ہیں ان کے بارے میں اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ محدیثین نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو یہ شبہ لایق التفات نہیں۔ اس لئے کہ محدیثین نے اپنے " مستخرجۂ شرائط " کے تحت ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا ہے۔ " شرائطِ رجال " کیوں نہیں پائے گئے ؟ اس کے اسباب پر بھی غور کرنا ہوگا۔ یہ احادیث اور حدیثِ قدسی " لولاک لما خلقت الافلاک " (اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک پیدا نہ کرتا) حقایق و معارف سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حقایق و معارف، پوشیدہ طور پر خاص خاص اہلؓ حضرات پر ظاہر کئے جاتے تھے۔ اس لئے ایسی احادیثِ شریفہ کے سننے اور سمجھنے والوں کی تعداد پوشیدہ رہی۔ اور ان احادیثِ شریفہ کا تعلق نماز، روزہ وغیرہ عملیات سے نہیں ہے، اس لئے عام طور پر علانیہ رجال کو سننے کا موقع نہیں ملا۔ جس کی وجہ سے شرائطِ رجال کی تکمیل، محدیثین کے لئے مشکل ہوگئی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے مستخرجہ اصول کے تحت ان احادیث کو ضعیف قرارد دے دیا۔ لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احادیث " اہلِ باطن " کے پاس زیرِ استدلال رہی ہیں۔ بڑے بڑے صوفیہ اور بڑے بڑے اولیاء نے اپنی کتابوں اور ملفوظات میں ان احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔ بلکہ صوفیہ اور اولیاء رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کو بھی ان احادیث کے بارے میں، حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہونے میں کوئی شبہ نہیں پایا جاتا۔ اہل ِ باطن اور محققینِ صوفیہ رحمہم اللہ کا یہ اتفاقِ کامل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ احادیثِ شریفہ اہلِ باطن کو باطنی طریقوں پر علی التسلسل پہنچتی رہی ہیں۔ لہٰذا ان احادیثِ شریفہ کے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی شبہ لائقِ التفات نہیں۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی نے لکھا ہے :-

درحدیثِ صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری معہ سائر مکونات علوی و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پیدا شدہ

(مدارج نبوت جلد 2)

ترجمہ :- حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کا ظہور کیا اور تمام کائناتِ آسمانی و زمینی اسی نور اور اسی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں "۔

اس سے ظاہر ہے کہ بعض محدثین نے بھی اس حدیثِ شریف کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ احادیثِ مذکورۃ الصدر میں " خلق " کا لفظ جو آیا ہے، اس کے معنی ہیں " ظہور کیا" البتہ کائنات کے لئے "خلق" کا لفظ آئے تو اس کے معنی ہونگے " پیدا کیا" چنانچہ قرآنِ مجید کی مندرجۂ ذیل آیہ شریفہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ

یعنی اللہ نے تمہارے لئے زمین اور آسمان کی ہر چیز پیدا کی۔

کائنات کی ہر جنس، ہر نوع، ہر فرد، خواہ سماوی ہو یا خلائی، ارضی ہو یا بحری، عقول ہوں یا نفوسِ ناطقہ، مرئی ہوں یا غیر مرئی، سب مخلوقاتِ عالم میں شامل ہیں۔ اس لئے ان پر "خلق" کے معنی "پیدا کیا" صادق آتے ہیں۔ لیکن "تعینِ اول" "ولایتِ محمدیہؐ" پر "خلق" کے معنی "پیدا کیا" صادق نہیں آسکتے کیوں کہ یہ فی الحقیقت، صفتِ الٰہیہ ہے۔ غرض تحقیقی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات، مخلوقات سے نہیں ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوا (البقرہ)257

یعنی اللہ مومنین کا ولی ہے۔

وَهُوَ الوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (الشوریٰ)28

ولایت، اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے بارے میں یہ آیاتِ شریفہ دلیلِ بین ہیں۔ خصوصیتِ ظہور کے اعتبار سے ولایت، اگر بطورِ مجاز، محمد ﷺ کی طرف منسوب ہو اور اُس کو " ولایتِ محمدیہ " کہا جائے، تو محمد ﷺ ہی کی ولایت، نہیں قرار دی جاسکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے "توریت" کو قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كِتَابُ مُوْسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً (سورۃ الھود) 17

یعنی موسیٰ کی کتاب، امام اور رحمت ہے۔

حالانکہ فی الحقیقت "توریت" اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کے تعلق سے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کہا گیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام ہی کی مصنفہ کتاب نہیں قرار دی جاسکتی۔!! اس کو "اضافتِ بادنیٰ ملابست" کہا جاتا ہے۔ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کے اعتبار سے "توریت" کو "کتابِ موسیٰ" کہا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ کتابُ اللہ ہے۔

اسی طرح باعتبارِ "ظہور" بلاظِ سبب تخلیقِ کائنات، اگر ولایتُ اللہ کو ولایتِ محمدیہ کہا جائے تو ہم محمد ﷺ ہی کی ولایت مراد نہیں لے سکتے۔کیونکہ فی الحقیقت وہ ولایتُ اللہ، صفتِ الٰہیہ ہے۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع صفات، حادث یا مخلوقات میں شامل نہیں ہے۔ اس لئے ولایتِ محمدیؐ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کی وجہ سے حادث یا مخلوقات میں شامل نہیں ہے۔اس لئے " اول خلق اللہ نوری یا اول ماخلق اللہ روحی" میں " خلق " کے معنی "پیدا کیا" نہیں ہوتے۔

چنانچہ تمہیداتِ عین القضاتِ ہمدانی میں لفظِ "خِلْقَتْ" کی یہی تحقیق بیان کی گئی ہے۔

جواب سوالِ دیگر فرا پیش باید گرفت اول ما خلق اللہ نوری۔ اے عزیز خلقت بزبانِ عرب بر چند معنی حمل کنند بمعنی آفریدن باشد چنانکہ خلق لکم ما فی السماواتِ والارض۔ و بمعنی تقدیر باشد و بمعنی ظہور و بروں آمدن باشد و بدیں حدیث ظہور وجود او۔

ترجمہ :- دوسرے سوال کے جواب پر غور کرنا چاہیئے (حضرت رسول صلعم نے فرمایا) اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اے عزیز! زبانِ عرب میں خلقت کے چند معنی لئے جاتے ہیں۔ (جیسا کہ) پیدا کرنے کے معنی ہیں چنانچہ خلق لکم ما فی السماوات والارض) (اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز پیدا کی) اور تقدیر کے معنی میں اور ظہور اور باہر آنے کے معنی میں اس حدیث (اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ) سے مراد اس کے وجود کا ظہور ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ "تعینِ اول" یا "ولایتِ محمدیہ" چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے متعلق ہے اس لئے "ظہور" کے معنی ہی منطبق ہو سکتے ہیں۔

شیخ عبدالرزاق کاشانی نے "شرح خصوص محکم" میں لکھا ہے :-

فهوم اتم المعارف امامن حبيث عينيه فلان العين المحمدية من حيث كونها متعينة بالبرزخية الكبرىٰ فهو عين الذات الاحدية من حيث كونها متعينة بالتعين الاول۔

ترجمہ :-پس آپؐ (محمد صلعم) اتم المعارف ہیں ۔ لیکن عینیت کے اعتبار سے اس لئے کہ عینِ محمدیؐ ، برزخیتِ کبریٰ سے متعین ذاتِ احدیت ہے ۔ جو تعینِ اول سے متعین ہے ۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ "تعینِ اول" "جوہرِ اول" اور "ولایتِ محمدٗیہ" کے بارے میں صوفیائے محققین کی تصریحات کیا ہیں ! لہٰذا اس کو صرف "مہدویہ" سے مخصوص قرار دے کر مہدویوں پر الزام عاید کرنا کہ فلاسفۂ یونان کی طرح مہدوی بھی بعض مخلوقات کو قدیم مانتے ہیں ۔ ظلمِ عظیم ہے !!

حالانکہ مہدویہ کا اعتقاد یہی ہے کہ لَاقَدِیْمُ اِلَّا اللّٰہ یعنی اللہ کے سوائے کوئی قدیم نہیں ہے ۔ اور کلام اللہ کو بہ حیثیتِ کلامِ نفسی جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذات ہے ۔ غیر مخلوق مانتے ہیں ۔ ہماری زبان سے قرآنِ مجید کے جو حروف ، الفاظ اور کلمات مُتَلَفُّظْ ہوتے ہیں اور سیاہی ، کاغذ اور کتاب کی جو صورت ہے اس کو مخلوق مانتے ہیں ۔

اس لئے ہمارے اعتقاد کی نسبت فلاسفۂ یونان وغیرہ کے نظریات سے مماثلت قایم نہیں کی جاسکتی جیسا کہ "ہدیۂ مہدویہ" میں ناحق الزام عاید کیا گیا ہے ۔!!!

بہ نظرِ انصاف تفحض کیا جائے تو آسانی سے متحقق ہو گا کہ یہ بے بنیاد الزام تمام اکابر صفیہ اور تمام اکابرِ اولیاء رحمہم اللہ علیہم پر بھی عاید ہوتا ہے ۔

مقامِ غور ہے کہ بعض فلاسفہ اور بعض ادیان نے بعض مخلوقات کو قدیم قرار دیا ہے ، مثلاً عقول ، افلاک ، عالم اور مادہ کو قدیم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ حالانکہ یہ سب کائنات میں شامل ہیں ۔ جنھیں خالقِ کائنات نے پیدا فرمایا ہے ۔ اس لئے یہ بھی حادث ہیں ، مخلوقاتِ الٰہیہ ہیں ۔ ان کو قدیم ، غیر مخلوق اور قایم بالذات کہنا ، ازروئے احکامِ اسلام ، کفر، شرک اور الحاد قرار دیا جاتا ہے ۔

لیکن " ولایتِ محمدؐیہ " کو قدیم ماننے سے فلاسفہ وغیرہ کے نظریات کی مطابقت قطعاً منطبق نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ ولایتِ محمدؐیہ فی الحقیقت ولایتِ الٰہیہ ہے۔ مصطفیٰ ﷺ کی طرف ولایت کی نسبت مجاز کی حیثیت سے ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کے کلام " توریت " کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بطورِ مجاز ہے۔

لہذا ولایتِ محمدؐیہ کو ولایت اللہ یعنے اللہ کی صفت ہونے کی جہت سے ہم کائنات میں شامل نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قدیم ہے۔ ابدی و سرمدی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہدویہ پر بعض مخلوقات کو قدیم ماننے کا الزام سراسر بے بنیاد اور مبنی بر عناد ہے۔!!!

چونکہ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام خاتم ولاتِ محمدؐیہ ہیں اس لئے آپؑ بھی عشقِ حقیقی کے مظہرِ اتم ہیں۔

حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح فصوص الحکم میں تحریر فرمایا ہے:-

الولاية لا منقطع ابد افانمامن الجهة التى تلى الحق سجانه وهى باقية دائمة ابدا سرمدا و اكمل مظاهر ما خاتم الاولياء

یعنی ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی کیوں کہ یہ وہ جہت ہے جو حقِ سبحانہٗ سے متعلق ہے۔ اور وہ ابدی و سرمدی طور پر دائماً باقی ہے اور ولایت کا کامل ترین مظہر خاتم الاولیاء ہے۔

صاحبِ مطلع خصوص الکلم شرح فصوص الحکم نے تحریر فرمایا ہے:-

الولاية صفة الٰهية لذالک مسمیٰ نفسه بالولى الحسيد قال الله ولى الذين آمنوا فهى غير منقطع ازلاوابد اولا يمكن الوصول لاحدمن الانبياء و غيرهم الى الحضرة الالٰهية الا بالولاية التى هى باطن النبوة و هٰذه المرتبة من حيث جامعية الاسم الاعظم لخاتم الانبياء و من حيث ظهورها فى الشهادة بتمامهالخاتم الاولياء۔

ترجمہ:- ولایت صفتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لئے اپنے آپؑ کو الولی الحمید سے موسوم فرمایا ہے اور فرمایا اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ پس وہ ازلاً ابداً غیر منقطع ہے۔ اور کسی نبی وغیرہ کو بارگاہِ الٰہی تک رسائی بغیر ولایت کے ممکن نہیں ہے۔ اور وہی نبوت کا باطن ہے۔ اور یہ مرتبہ اسمِ اعظم کی جامعیت کی حیثیت سے خاتم الانبیاء اور اس کے شہود میں ظاہر ہونے کی حیثیت سے "خاتم الاولیاء" ہی کے لئے ہے۔

قرآنِ مجید میں "نور" کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے ۔ نور کے معنی روشنی کے ہیں ۔ آیاتِ کریمہ کے شانِ نزول اور سیاقِ کلام کے لحاظ سے "نور" کے معنوں میں تخصیص پائی جاتی ہے ۔ بعض آیاتِ کریمہ میں ، نور سے آگ کی روشنی، آسمان کی روشنی، عام روشنی ، اسلام کی روشنی، ایمان، ہدایت ، سببِ ہدایت، توحید و اعمالِ صالحہ ، وہ نور جس کی وجہ سے قیامت کے موقع پر "پل صراط" پر سے چلنا سہل ہوگا ، روشن کیا گیا، روشنی، قرآنِ مجید کی روشنی، شریعت و براہینِ الٰہیہ کی روشنی وغیرہ مراد ہے ۔ اختصار کے پیشِ نظر آیات پیش کر کے تفصیلی توضیح نہیں کی گئی ۔

سورۃ الزخرف کے رکوع 6 # میں پہلے یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ الہام سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ کے ذریعہ وحی کی جاتی ہے ۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ سے خاص طور پر خطاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَكَذَالِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَاالْكِتٰبُ وَلَاالْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَاط وِاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الْاَرْضِ ط اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (سورۃ الزخرف)52-53

ترجمہ :-اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح کو وحی کیا۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے ۔ لیکن ہم نے اُس کو (روح کو) نور کیا، جس کے ذریعہ ہمارے بندوں میں سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں ۔ اور تم (بھی) بے شک صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں ۔ آسمانوں اور زمین میں کی ہر چیز جس کی ہے (صراطِ مستقیم) اُسی اللہ کا راستہ ہے ۔ جان لو! سب امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ۔

اس آئیہ شریفہ کے لفظِ "روح" کے بارے میں غور و تفحص کی ضرورت ہے ۔ بعض نے روح سے جبرئیل اور بعض نے قرآن مراد لی ہے ۔ لیکن سیاقِ کلام ، مزید تفحص کا مقتضی ہے ۔کیونکہ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

"تم نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب (قرآن) کیا ہے اور نہ ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اس روح کو نور کیا ہے ۔"

یعنی محمد ﷺ کے لئے یہ روح سببِ ہدایت اور وسیلہ ہے ۔ جس کی وجہ سے آپؐ کتاب (قرآن) اور ایمان کو جان سکے اور صراطِ مستقیم

کی طرف رہبری فرما سکے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ وہ بھی اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے اُ سی روح کے ذریعہ سے ہدایت فرماتا ہے۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ یہ نورِ روح اور قرآن کے سوائے کچھ اور ہی ہے۔ یعنے یہ اُس "روحِ محمدیؐ" کی جانب اشارہ ہے جس کا ذکر حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ یعنی اللہ نے سب سے پہلے میری روح کا ظہور فرمایا۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آئیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اُ سی ظہورِ اول کی یاد دلائی ہے۔ جو کائنات کی خلقت کا باعث بھی ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کے منور اور منیر بننے کا سبب بھی۔ اور جس کی وجہ سے آپؐ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نبیؐ تھے۔

اس حدیثِ شریف سے اس آئیہ کریمہ کی تفسیر بھی ہورہی ہے اور آئیہ کریمہ سے اس حدیثِ شریف کی تطبیق بھی---

نیز المطلق ینصرف الی فردا لکامل (یعنی مطلق، فردِ کامل کی فرف لوٹایا جاتا ہے)

کے ضابطہ کے لحاظ سے بھی اس روح سے وہی فضلِ ظہورِ اول مراد ہونی چاہیئے۔ جس کو "روحِ محمدیؐ" "ولایتِ محمدیؐ" کہا جاتا ہے۔ جس سے صراطِ مستقیم، صراط اللہ یعنے صراطِ بصیرۃ اور راہِ لقاءِ رب کی طرف بھی آپؐ نے رہبری فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں میں سے جس بندۂ خاص کو چاہتا ہے اسی نورِ روح سے ہدایت فرماتا ہے۔

واضح ہو کہ آئیہ شریفہ "نَهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا" میں "مَنْ" کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی نورِ روح سے فیض یاب ہوگا جس سے حضرت محمد ﷺ فیض یاب ہوئے ہیں۔

اس لئے کہ "نَهْدِیْ بِهٖ" میں بِهٖ کا مرجع وہی "روح" ہے جس کی شان میں "وَلٰكِنْ جَعَلْنَا نُوراً" وارد ہے۔ اس لئے "مَنْ" خاص ہے۔

لہٰذا " نَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَاءُ مِنۡ عِبَادَنَا" آئیہ شریفہ سے یہ اشارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ مہدی ءِ موعود، خاتم الاولیاء بھی " عشقِ حقیقی" کے مظہرِ اتم ہیں۔ حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی " شرح فصوص الحکم" اور " مطلع خصوص الکلم" کے جو حوالے بطورِ مثال ہم نے پیش کئے ہیں، اُن سے بھی خاتم الاولیاء کی یہی خصوصیت متبادر ہے۔

حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے بھی خدائے تعالیٰ کے بے واسطہ حکم سے فرمایا کہ اس آئیہ شریفہ میں " مَنۡ" خاص ہے۔

اس بندہ کی ذات مراد ہے۔

اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں " روحِ محمدیؐ" اور " ولایتِ محمدیؐ" کی شان اور " مَنۡ نَّشَاءُ" کی خصوصیت کو حضرت بندگی میاں شاہِ قاسم مجتہدِ ملتِ مہدویہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ثابت فرمایا ہے:-

قولہ تعالیٰ وَکَذَالِکَ اَوۡحَیۡنَا اِلَیۡکَ ہمچناں وحی کردیم پیغامبرانِ پیشین را ۔ از ولایتِ تو کہ روح ارواح ہمہ انبیاء و مخزن وحی و معدن اخذ جبرئیلؑ است ہمچنا فرستادیم " روحاً عین آں ولایت است کہ ہمچوں روح است محی ارواح ہمہ انبیاء و اولیاء معلم جمیع علوم است من امرنا ازیں عطیہ و ما کنت تدری ماالکتاب ولا الایمان نبوی توکہ بدنی چہ چیز است قرآن وچیست وحی ونہ معرفتِ ایمان دانستی۔ ولٰکن جعلناہُ نوراً و لیکن گردانیدم آں رو نور کہ روشن است و روشنی دہندہ کہ بو ساطتِ آں ہمہ را دیدی و دانتی و دریافتی و او مسما است۔ بہمہ اسماء و موصوف است بہمہ اوصات و منزہ است از ہمہ اشیاء و ہیچ موجودے نیست و نبود و نباشد پیشِ وجودِ او نھدی بہٖ نشاء من عبادنا۔ راہ نمایم بداں نورِ ولایتِ تو بے واسطۂ ملک ہر کسے را نجواہیم از بندگانِ ما آں کس مخصوص است از بندگانِ خاص کہ خطا یش مہدیست بہ نقل آنحضرت علیہ السلام ثبوت یافتہ کہ ایں من خاص است (مجمع الآیات)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- " وَکَذَالِکَ اَوۡحَیۡنَا اِلَیۡکَ " اور اسی طرح ہم نے اگلے پیغمبروں کی وحی کی ہے۔ تیری ولایت کے ذریعہ جو تمام انبیاء کی ارواح کی روح اور وحی کی مخزن اور اخذ جبرئیلؑ کی معدن (جبرئیلؑ اسی معدن سے حاصل کرتے ہیں) اسی طرح ہم نے بھیجا (روحًا) روح کو وہی ولایت (ولایتِ مصطفیٰؐ) ہے جو مثلِ روح ہے تمام انبیاء اور اولیاء کی ارواح کو زندہ کرنے والی تمام علوم کی تعلیم دینے والی ہے۔ "من امرنا" ہمارے فرمان سے اور اس عطیہ سے پہلے "مَاکُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَاالۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ"۔ تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا چیز ہے وحی کیا ہے اور نہ ایمان کی معرفت تجھ کو تھی۔ "وَلٰکِنۡ جَعَلۡنَاہُ نُوۡرًا" اور لیکن ہم نے کیا ہے اس کو نور،

جو روشن ہے اور روشنی دینے والا ہے۔ اسی نور کے ذریعہ تونے سب کو دیکھا اور جانا اور معلوم کیا اور وہ نور مستمی ہے تمام اسماء سے اور موصوف ہے تمام اوصاف سے اور منزہ ہے تمام اشیاء سے اور کوئی مخلوق نہیں ہے اور نہ تھی اور نہ ہوگی اس نور (روح) کے وجود (ظہور) سے پہلے۔ "نَهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا" ہم تیرے اسی نورِ ولایت سے راستہ دکھاتے ہیں۔ فرشتہ کے واسطہ کے بغیر جس کو ہم چاہتے ہیں ہمارے بندوں میں سے وہ شخص مخصوص ہے خاص بندوں سے جس کا خطاب مہدیؑ ہے۔ آنحضرت مہدی علیہ السلام کی نقل سے ثابت ہوا ہے کہ "مَنْ نَّشَاءُ" کا "من" خاص ہے۔

حضرت مجتہدِ ملتِ مہدویہ علیہ الرحمتہ نے "ولایتِ مصطفیٰؐ" کی مزید تصریح اس طرح فرمائی ہے:-

نقلِ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ بالاگذشت کہ ولایتِ مصطفیٰؐ الآن کما کان۔ و مقرر است کہ الولایۃ لا منقطع ابداً چراکہ ولایتِ مصطفیٰؐ نورِ خاص ذاتِ خدا است۔داد ہمیشہ بود و باقی است و لہٰذا قال علیہ السلام کنت بینا و آدم بین الماء الطین (دلیلِ العدل الفضل)

ترجمہ:- بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی نقل اوپر گذری کہ ولایتِ مصطفیٰؐ اب بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ تھی اور ثابت ہے کہ ولایت کبھی منقطع نہیں ہوگی کیوں کہ ولایتِ مصطفیٰؐ ذاتِ خدا کا نورِ خاص ہے۔ اور ہمیشہ تھا اور باقی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- "میں نبی اس وقت تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔"

ان حوالوں میں دو امور خاص طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس آئیہ شریفہ میں روح سے مراد "ولایتِ محمدیہ" ہے۔ قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "روح" کا ذکر کئی مقامات پر ہوا ہے، ہر جگہ روح کے معنوں میں سیاقِ کلامِ الٰہی سے جدا، جدا، تخصیص پائی جاتی ہے۔ کہیں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ کہیں روح نامی فرشتہ، کہیں روح نامی فرشتوں کی جماعت۔ کہیں روحِ بدن مراہے، جو زندگی و حیات کا باعث ہوتی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بطورِ مجاز، اور کہیں بطورِ صفتِ ذات، مخصوص ہے۔ ان سب کی توضیح کا یہ محل نہیں ہے۔

غرض "روح" کا تعلق، جہتِ کائنات سے ہو تو اُس کو مخلوقات میں شامل سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام کو جہاں روح کہا گیا ہے وہاں روح مخلوقات میں شامل ہے۔ کیوں کہ اس مقام پر روح کا اطلاق جبرئیل علیہ السلام پر ہو رہا ہے اور جبرئیل علیہ السلام مخلوقات سے ہیں۔

اور جہاں روح کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے بطورِ مجاز ہو جیسے کہ " نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِی" (میں نے پھونکا اس میں میری روح سے) یہاں روح (جان) کی نسبت، اللہ تعالیٰ کی طرف بطورِ مجاز ہے۔ اِس سے اُس روحِ بدن کی ملکیتِ الٰہیہ اور شرافت و عظمت کا اظہار مقصود ہے جیسا کہ فرمایا:- "وَطَهِّرْ بَيْتِیَ" (میرے گھر کو پاک رکھ) یہاں بیت (گھر) کی نسبت اللہ کی طرف بطورِ مجاز ہے۔ کیوں کہ خدائے تعالیٰ کے لئے زمان و مکان کی قید نہیں ہے۔ اسی طرح "روحی" میں اللہ کی طرف نسبت، بطورِ مجاز ہے۔

روح کا تعلق خدائے تعالیٰ کی جہتِ صفت و ذات سے ہو تو وہ مخلوقات میں شامل نہیں سمجھی جاسکتی۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت "ولایتِ محمدؐیہ، صفتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لئے حضرت شاہِ قاسمؒ نے اس موقع پر "روح" سے مراد "ولایتِ مصطفیٰؐ" بیان کی ہے۔ اس روح کی مزید صراحت سے منطق عاجز ہے۔ صاحبِ "المنجد" نے لکھا ہے "الروح الاعظم" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت شاہِ قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرا امر یہ بیان کیا ہے کہ ولایتِ محمدؐیہ، خدائے تعالیٰ کی ذات کا خاص نور ہے۔ اور حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہٗ کی روایت درج کی ہے کہ "ولایتِ مصطفیٰ" الآن كَمَا كَانَ" (ولایتِ مصطفیٰؐ جیسی تھی اب بھی ویسی ہی (باقی) ہے۔

حضرت خواجہ طٰہٰ مہری رحمتہ اللہ علیہ جلیل القدر تابعین سے ہیں، ولایتِ مصطفیٰؐ کے بارے میں آپ کے چند اشعار بھی درج کئے جاتے ہیں۔

کنت کنزا کہ بُدِ قِدَم مَستُور
چوں زکتمانِ صرف خو است عبور
کرد نورِ نبیؐ زغیب حضور
ہرچہ ہست از ولایت است ظہور!

۔ "المنجد جدید" شائع کردہ دارالاشاعت کراچی۔

ایضاً

چونکه از ذاتِ خویش قطعهٔ نور

حق جدا کرد بہر کل امور!!

آں ولایت شده زغیبِ حضور !!!!

ہرچہ ہست از ولایت است ظہور!!!

واضح ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، وہی روایت فرمایا کرتے تھے ،جو مہدی ءِ موعود علیہ السلام سے انہوں نے سنی اور سمجھی ہو۔ ایسی ہی احتیاط تابعین، تبع تابعین اور سلفِ صالحین میں بہ تعلقِ سلسلۂ ارشاد، علی التسلسل باقی رہی۔ اس لئے ولایتِ مصطفیٰؐ کے بارے میں جو حوالہ ، حضرت بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کی روایت کا حضرت شاہِ قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے دیا ہے ، یقیناً حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام سے سنی ہوئی بات آپؑ نے بیان فرمائی تھی۔ ایسے ہی تعلیماتِ مستندہ کی روشنی میں جلیل القدر تابعی حضرت خواجہ طٰہٰ مہری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مجتہدِ ملت رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تصریحات فرمائی ہیں۔

مختصر یہ کہ ان چند حوالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ "روحِ محمدیؐ"، "ولایتِ محمدؐیہ" کی اصطلاح کے باب میں اکابرِ صوفیہ و اولیاء رحمہم اللہ علیہم کی تالیفات و ملفوظات میں جیسی تصریحات پائی جاتی ہیں ایسی ہی تصریحات، اکابرِ سلفِ صالحینِ مہدویہ میں بھی موجود ہیں۔

اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ "ہدیۂ مہدویہ" میں ایسا بے بنیاد الزام عاید کیا گیا جس کا صوفیہ اور اولیائے کرام پر بھی عاید ہونا لازم آتا ہے۔!!

حاصلِ کلام یہ کہ "ولایتِ محمدؐیہ" فی الحقیقت "ولایت اللہ" ہے۔ اس لئے یہ کائنات سے نہیں۔ بلکہ باعثِ خلقتِ کائنات ہے۔ خلقتِ کائنات میں خود محمدؐ رسول اللہ و مہدی ءِ مراد اللہ علیہما اسلام کی ولادتِ مبارکہ بھی ہے۔ جن کی پیدائش والدین سے ہوئی اور خود

صاحبِ اولاد ہوئے۔ لیکن یہ ہستیاں ایسی اکمل ترینِ مخلوق ہیں کہ جن کی مثال انسان کی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پائی جانی محال ہے۔

کیوں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ مصطفیٰ ﷺ اور خاتم ولایتِ محمدؐیہ حضرت مہدی ءِ موعود مجتبیٰ ﷺ ، "عشقِ حقیقی" کے مظہرِ اتم، ناظرانِ تجلیِ ذات، اور مسلمانانِ تام ہیں جن کو فَنَا فِی الذَّاتُ حاصل تھی۔

اس لئے بظاہر انسانوں جیسے ہونے کے باوجود، کسی (انسان نے اُن مافوق الفطرت انسانوں کا سایہ کبھی نہ دیکھا۔!!! لہٰذا آپؐ کے خاتم الانبیاء اور مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے خاتم الاولیاء ہونے کو عام یا خاص الخاص انسانوں کی طرح آپؐ کے ذاتی کسب و کاوش کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔!!!!

اس مختصر بحث سے اس نکتہ کی تفہیم بھی آسان ہوگئی کہ حضرت محمد ﷺ "عشقِ حقیقی" کے مظہرِ اتم ہیں۔ اِسی لئے آپؐ پر نازل شدہ قرآنِ شریف میں عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ خود آپؐ کو اس دنیا میں "فنائے ذات و صفات" کی انتہائی منازل سے مشرف کیا گیا: "علمِ سکوتی" اور "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ" کا حامل بنایا گیا۔

سیدِ کل صاحبِ ام الکتاب

پردگی ہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید

"رَبِّ زِدْنِیْ" از زبانِ اُو چکید (اقبالؔ)

یہ مقام بجز خاتم الاولیاء کے کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بھی "مظہرِ عشقِ حقیقی"، "داعی الی البصیرۃ و لقاء الرب" ہیں۔ فی الحقیقت مسلمانِ تام وہی ہوسکتا ہے، جو "فنائے تام" اور دیدارِ انوارِ تجلیاتِ ذاتی سے مشرف ہو۔ اسی لئے یہ دونوں ہستیاں اصالتاً

مسلمانِ تام ہیں ۔

نبوت و رسالت کے منصب اور تنزیلِ کتاب کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ کی بعثت "خاتم الانبیاء" کی حیثیت سے ہوئی۔ اور صاحبِ بیانِ کتاب کے اعتبار سے یعنے "تَبۡیِیۡنِ تَعۡلِیۡمِ اِحۡسَانۡ" کی جہت سے مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت ، "خاتم الاولیاء" کی حیثیت سے ہوئی۔

یہاں " ختم " کے معنی " کمال " کے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو دین بھیجا گیا، وہ حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ کمال کو پہنچا دیا گیا ، قرآنِ مجید دینِ کامل ہے۔ اس کے بعد پھر کسی کتاب کے نازل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔کیونکہ معاش و معاد کی مکمل تعلیم اُس میں موجود ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اصل دین ، عشق و محبتِ الٰہی ، عرفان اور وصال الی المطلوب یعنے لقاءِ رب سے مشرف ہونے کی تعلیم بھی قرآنِ مجید میں "بدرجۂ کمال" موجود ہے۔ اس بنیادی تعلیم کی تکمیل کے بغیر ، کمالِ دین کا اطلاق ممکن نہیں تھا۔ اس بات کی تصریح ، اس حدیثِ شریف سے بخوبی ہوجاتی ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے ایک طویل روایت ، کتبِ احادیثِ مستندہ میں مذکور اور علمائے کرام میں مشہور ہے۔ اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

" حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ، ہم رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تھے کہ ایک شخص آیا جس کا لباس بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔ سفر کے آثار اس میں نظر نہیں آرہے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپؐ کے زانوئے مبارک سے قریب دو زانو بیٹھ گیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے زانوئے مبارک پر رکھ دیئے ۔ کہا مجھے اسلام سے واقف کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ رمضان کے روزے رکھیں اور استطاعت ہو تو حجِ بیت اللہ کریں۔ اس شخص نے کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ ہمیں تعجب ہوا کہ خود ہی سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی تصدیق بھی۔ پھر سوال کیا ، مجھے ایمان سے واقف کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پر ، اور اُس کے فرشتوں پر اُس کی کتابوں پر ، اُس کے

رسولوں پر ، قیامت کے روز پر ، تقدیر ، خیر و شر پر ، ایمان لائے ۔ اُس نے کہا ، آپؐ نے سچ فرمایا۔ پھر سوال کیا کہ احسان سے واقف فرمایئے ۔ آپؐ نے فرمایا (احسان) یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے ۔ اگر تو اُس کو نہ دیکھ سکے تو (اتنا یقین ضرور رکھے کہ) اللہ تجھے دیکھ رہا ہے ۔ اس نے کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔

اُس شخص کے چلے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں دیر تک ٹھیرا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ ! تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے تمہارے پاس اِس لئے آئے تھے کہ تمہارا دین تمہیں سکھلا دیں ۔"

بعض روایتوں میں پہلے ایمان اور بعد میں اسلام ، احسان کا بیان ہوا ہے ۔ غرض دین کی تین خصوصیات " ایمان "، " اسلام "، " احسان " ہیں جن کے پڑھوانا کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے ۔ چونکہ امتِ محمدیہ کا طویل عرصۂ حیات ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بلحاظِ بعدِ زمانہ ، بغرضِ ہدایت ، مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کی بعثت بھی وسطِ امت و آخرِ امت میں مقدر فرمائی ۔ یہ انتظام منجانب اللہ ، تکمیلِ دین ہی کے تحت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (سورة المائده) 3

ترجمہ :- آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل بنادیا ۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی ۔ اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے ۔

اس آیہ شریفہ کی تشریح اس سے قبل کی گئی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی عمرِ مبارک کے آخری حصہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ۔ جس کو آپؐ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں سنایا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین کی ان تینوں خصوصیات کی تعلیم ، قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریاتِ انسانی کی رہبری ، قیامت کے وقوع اور ثواب و عذاب وغیرہ تمام دینی امور کے بیان کے بعد اس آیہ شریفہ کا نزول ہوا ہے ۔ نیز قرآنِ مجید میں ایک ایسے شخص کا اور اُس کی خصوصیات کا بیان بھی اشارۃً ہوچکا ہے ، جس کی بعثت، امتِ محمد ﷺ میں ہوگی ۔ یہ سب اُمور تکمیلِ دین ہی سے متعلق ہیں ۔

اسی لئے مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی بعثت کے بارے حضرت رسول اللہ ﷺ نے تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ اور تاکید کی ہے کہ جب مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت ہو تو اس کی بیعت وتصدیق، اہلِ زمانہ پر فرض ہوگی۔

علمائے اکابر اہلِ سنت نے بھی اسی لئے بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کو ضروریاتِ دین سے تسلیم کیا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مقاصد میں لکھا ہے۔ :-

" فذهب العلماء الٰی انه امام عادل من ولد فاطمه یخلقه الله متٰی شاء ویبعثه نصرة لدینه۔"

(شرح مقاصد جلد ثانی)

ترجمہ :- پس علماء کا اتفاق، اس بات پر ہے کہ مہدیؑ، امامِ عادل اور اولادِ فاطمہؓ سے ہونگے۔ اللہ جب چاہے گا انہیں پیدا کرے گا اور اپنے دین کی نصرت کے لئے مبعوث فرمائے گا۔

قرآنِ مجید کی جن آیات میں اشارات پائے جاتے ہیں اُن میں سے ایک آئیہ شریفہ درج کی جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا :-

ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ۝ (سورۃ القیٰمۃ) 19

ترجمہ :- پھر بے شک ہم پر اُس کا (یعنے قرآن کا) بیان ہے۔

یہاں " ثُمَّ " حرفِ عطف واقع ہوا ہے۔ اس سے تراخی مراد ہے۔ حرفِ عطف "و" اور " ثُمَّ " میں فرق یہ ہے کہ "و" کی صورت میں معطوف علیہ اور معطوف علیہ پر ایک ساتھ حکم عاید ہوتا ہے۔ اور "ثم" کی صورت میں کچھ نہ کچھ عرصہ گزرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً

" اَكَلَ خَالِدٌ وَ زَيْدٌ" (خالد اور زید نے کھایا) اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خالد اور زید دونوں نے ایک ہی وقت میں کھایا۔

اب "ثم" کی مثال پر غور کیا جائے۔ " اَكَلَ خَالِدٌ ثُمَّ زَيْدٌ" (خالد نے کھایا پھر زید نے) اس جملہ کا صاف مفہوم یہی ہے کہ زید نے خالد کے بعد کھایا۔ یعنے زید نے خالد کے بعد دیر سے کھایا۔ اس دیر کا عرصہ کم سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ زاید سے زاید بھی بطورِ مثال ایک آئیہ شریفہ پیش کی جاتی ہے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۖ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ۗ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ۚ ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ۚ ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ۚ (سورة المؤمنون) 12-16

ترجمہ :- ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا پھر ہم نے اُسی کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ (ماں کے رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم ہی نے لوتھڑے کو مضغہ بنایا پھر ہم نے مضغہ کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہی ہڈیوں پر گوشت مڑھا۔ پھر ہم ہی نے اُس کو دوسری ہی مخلوق (انسان) بنادیا۔ پس اللہ بڑی برکت والا اور بہترین خالق ہے۔ پھر تم اُس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

اس آئیہ شریفہ میں " ثُمَّ " کی دیری کے کئی موقعے بیان ہوئے ہیں۔ قبل پیدائش کے آغاز سے موت تک اور موت کے بعد سے قیامت میں دوبارہ اٹھائے جانے تک ، جو جو عرصہ گزرتا ہے ، سب پر " ثُمَّ " کا اطلاق ہورہا ہے۔ اور وہ عرصہ کم بھی ہے زیادہ بھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ " ثُمَّ " مطلق تراخی کے لئے ہے۔ خواہ یہ تراخی کم سے کم ہو یا زیادہ سے زیادہ۔ اس کی مثال میں اور کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔ بنظرِ اختصار مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ پر اکتفا کیا گیا۔

امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے۔

" ان ظاهر الآية يقتضى وجوب تاخير البيان عن وقت الخطاب "

ترجمہ :- یعنے ظاہر آیت ، وقتِ خطاب سے بیان کی تاخیر کے وجوب کا مقتضی ہے۔

اسی طرح " ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ " میں بیان کا عرصہ ، تاخیر بھی اللہ تعالٰی کے منشاء پر منحصر ہو سکتا ہے۔ !!!

اس آئیہ شریفہ کا اس کے ماقبل مضمون سے ربط یہ ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تو آنحضرت ﷺ بھی اُن کے ساتھ جلدی جلدی پڑھنے لگتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اس پر یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی۔

لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ؕ

(سورۃ القیٰمۃ) 16-19

ترجمہ :- یعنے تم اُن کے ساتھ ہی زبان کو حرکت نہ دو ۔ اور یاد کرنے میں جلدی نہ کرو۔ بے شک اس قرآن کو (تمہارے دل میں) جمع کر دینا اور اُس کو (تمہاری زبان سے) پڑھوانا ، ہمارے ذمہ ہے ۔ جب ہم اِس کو (جبرئیل کی زبانی) پڑھیں تو تم اُن کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر بے شک ہمارے ہی ذمہ اِس (قرآن) کا بیان ہے ۔

اس آئیہ کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہے کہ محمد ﷺ کا جلدی جلدی پڑھنا ، حفظِ قرآن کے لئے تھا۔ بیانِ قرآن کے لئے نہیں تھا۔ یاد کرنے ، جمع کرنے اور پھر لوگوں کو پڑھ کر سنانے کی ضرورت ، آپؐ کی عجلت کا سبب تھی ۔

اس آئیہ کریمہ کے پہلے حصہ سے اس ضرورت کی تکمیل ہورہی ہے ۔ اس کے بعد آئیہ کریمہ کا دوسرا حصہ " ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَابَيَانَہٗ" واقع ہوا ہے ۔ یہ بیانِ قرآن حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ بھی ہوا ۔ اس کی روشنی میں آپؐ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے ذریعہ بھی ہوا۔ اور علمائے ظاہر و باطن سے بھی ہوا۔

اسی طرح مہدی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے بھی منجانب اللہ بیانِ قرآن ہوا ۔ آپؑ تا حیاتِ طیبہ روزانہ بیانِ قرآنِ مجید فرماتے رہے اس کی روشنی میں آپؑ کے صحابہؓ ، تابعین و تبع تابعین و سلفِ صالحین سے بھی بیانِ قرآن ہوتا رہا۔ اسی لئے مہدویہ دائروں میں روزانہ بیانِ قرآن ہوا کرتا تھا جب سے یہ چھوٹا ہے ، علم و عمل کا " انحطاط " بڑھتا گیا ، بڑھتا ہی جارہا ہے ۔

لیکن خاتم الانبیاء اور ختم الاولیاء معصوم عن الخطا ہیں اس لئے منجانب اللہ بیانِ قرآن کا ظہور ، حسبِ آئیہ کریمہ " ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَہٗ" انہی معصوم ہستیوں سے ہو سکتا ہے ۔

انجیل کی آیت سے بھی مہدیء موعود علیہ السلام کا صاحبِ بیانِ قرآن ہونا ، ظاہر ہوتا ہے ۔

نَحْنُ نَاتِيْكُمْ بِالتَّنْزِيْل وَاما التَاوِيْل فِيَاْتِيْكُمْ بِهٖ الْفَارِقْلِيْطْ

ہم (انبیاء تمہارے پاس تنزیل (کتاب) لاتے ہیں اور لیکن تاویل (بیان) تمہارے پاس فارقلیط لائے گا۔

" فارقلیط " سے حضرت محمد ﷺ مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ آپؐ ، صاحبِ کتاب ہیں ، " نَحْنُ نَاتِیکُمْ بِالتَّنْزِیْل " میں تمام صاحبِ کتاب انبیاء داخل ہیں۔ اس کے بعد " فارقلیط " کا ذکر خاص طور پر ہوا ہے۔ اور تاویل یعنے " بیان " کی خصوصیت اُس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ رسول اور صاحبِ کتاب ہیں ، اس لئے " فارقلیط " سے آپؐ کی ذات مراد نہیں ہوسکتی۔ دراصل یہ اشارہ اس ہستی کی جانب ہے جو رسالت کی مدعی اور صاحبِ کتاب نہیں ہوگی۔ لیکن بہ حیثیتِ خلیفتہ اللہ ، منجانب اللہ بیانِ کلام اللہ کی حامل ہوگی۔ لہٰذا " فارقلیط " سے مراد مہدی ءِ موعود علیہ السلام ہیں۔

اکابرِ محققینِ اہلِ سنت بھی اس کے قایل ہیں۔ چنانچہ " تفسیرِ تاویلات " میں " لَارَیْبَ فِیْہ " کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال عیسٰی علیہ السلام نحن ناتیکم بالتنزیل و اماالتاویل فیا تی بہٖ المھدی فی آخر الزمان

ترجمہ :- یعنے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم تمہارے پاس تنزیل لاتے ہیں اور تاویل آخر زمانہ میں مہدیؑ لائینگے۔

شیخ مقتول ، حکیم شہاب الدین اشراقی نے " ہیاکل النور " میں لکھا ہے۔

فالتنزل موکول الی الانبیاءوالتاویل والبیان موکول الی المظھرالاعظم الانوری الاروحی الفارقلیط۔۔۔ قذاشیرنی المصحف حیث قال ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ وَثُمَّ لکَ تَرَاخِی۔

ترجمہ :- پس " تنزیل " ، انبیاء سے متعلق ہے اور تاویل بیان ، زیادہ نورانی و روحانی ، مظہر اعظم یعنے فارقلیط سے متعلق ہے۔ قرآن میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو اللہ نے فرمایا " ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ " " وَثُمَّ لکَ " تراخی کے لئے ہے۔

اسی کتاب کے حاشیہ میں " مظہر الاعظم " کی شرح یہ لکھی ہے۔

قولہ الی المظھر الاعظم الا نوری الخ یقال انہ المھدی علیہ السلام

ترجمہ :- صاحبِ " ہیاکل النور " کا قول یعنے مظہر اعظم زیادہ نورانی ۔۔۔ الخ جو ہے ، کہا جاتا ہے کہ وہ مہدی علیہ السلام ہیں۔

جلال الدین دوانی نے شرح " ہیاکل النور" میں " فارقلیط " کی شرح یہ لکھی ہے۔

لفظ عبرانی و معناہ الفارق بین الحق و الباطل و المراد بہ مظہر الولایۃ ھی باطن النبوۃ

ترجمہ :- " فارقلیط" عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہیں۔ اور اس سے مراد ولایت کا مظہر ہے جو باطنِ نبوت ہے۔

اِن مختصر شواہد سے ظاہر ہے کہ مہدی ءِ موعود علیہ السلام ، صاحبِ بیانِ قرآن ہیں۔ اور " ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ " میں بیان سے مراد " بیان الاحسان بلسان المہدی علیہ السلام " ہے۔

اس کے یہ معنی " نَعُوْذُ بِاللہ ، حَاشَا وَ کَلَّا " ہرگز نہیں ہوسکتے کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا۔ یہ بات ہر مومن کے لئے داخلِ ایمان ہونا لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی علم الاحسان بدرجۂ اتم تھا۔ جس پر معراج میں دیدارِ ذاتی کا ہونا ،حدیث احسان جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد " لی مع اللہ وقتٌ " شاہد ہے۔ آپؐ نے دوسروں کو بھی حسبِ استعداد علم الاحسان سے فیضیاب فرمایا ہے۔

اسی لئے " تفسیرِ معالم التنزیل" میں آیتِ قرآنِ مجید " یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ" (سورۃ المآئدۃ) 105 کی تفسیر میں لکھا ہے :-

ان القرآن منزل منہ ای قضٰی تاویلھن قبل ان ینزلن و منہ ای وقع تاویلھن علٰی عھد رسول اللہ ومنہ ای وقع تاویلھن بعد رسول اللہ و منہ ای یقع تاویلھن فی آخر الزمان۔

ترجمہ :- یعنے قرآن نازل ہوا اور بعض تاویلیں اس کے پہلے گزر چکیں اور بعض کی تاویل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوئیں اور بعض کی تاویلیں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوئیں اور بعض کی تاویلیں آخر زمانہ میں ہونگی۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کی تاویلوں (یہاں تاویل سے مراد بیانِ قرآن ہے) کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد " ظنی " تاویلات ہیں۔ " قطعی " تاویل خلیفتہ اللہ ہی سے ہوسکتی ہے۔ مہدی ءِ موعود علیہ السلام ، " خلیفتہ اللہ " ہیں اس لئے آپؑ کے ذریعہ جو تاویل یعنے بیانِ قرآن ہوگا وہ بے خطا ہوگا۔

واضح ہو کہ آئیہ کریمہ " وَمَایَعْلَمُ تَاوِیْلَہُ اِلَّا اللّٰہُ (سورۃ اٰل عمران)7 " (اللہ کے سوائے قرآن کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے) میں بھی " تاویل " سے مراد منجانب اللہ بیانِ قرآن ہے۔چونکہ اللہ کا خلیفہ ، اللہ کی تعلیم سے بیانِ قرآن کرتا ہے۔ اس لئے بے خطا ، قطعی اور " واجب الاذعان والایمان " ہوتا ہے۔ مہدی ءِ موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کی ضرورت اسی لئے ہے کہ حسبِ آئیہ کریمہ " ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ " آپؑ کا بیانِ قرآن " علم الاحسان " سے متعلق ہوگا۔ اور آپؑ " عشق و محبتِ الٰہی " کی تعلیمِ قرآن کو منجانب اللہ علی سبیل الدعوۃ از سرِ نو تازہ فرمائینگے۔

اس بحث سے ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی مشارٌالیہ شخصیت کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے " مہدی " کے لقب سے متعارف فرمایا اور آپؑ کی بعثت کے بارے میں تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ بلکہ مہدی ءِ موعودؑ کی جماعت کی خصوصیات سے بھی اپنی اُمت کو آگاہی بخشی ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں اس جماعت کے فضائل سے متعلق اشارات و خصوصیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آئیہ شریفہ ، اس سے قبل بھی مختصر تصریح کے ساتھ درج کی گئی ہے۔

یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

(سورۃ المآئدۃ)54

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم میں سے جب دین سے مرتد ہونے لگوگے تو اللہ تعالٰی ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرینگے۔ اور وہ مومنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے۔ اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ واسع و علیم ہے۔

اس کے ہم معنی اور بھی آیاتِ کریمہ پائی جاتی ہیں۔اس آئیہ کریمہ سے مہدیٔ موعودؑ اور آپؑ کی قوم (یعنے اولین مصداق ، جماعتِ صحابہؓ) کی شان عیاں ہورہی ہے۔ اور یہ بھی متبادر ہے کہ مہدیٔ موعودؑ عشق و محبتِ الٰہی کی اعلیٰ تعلیم سے مشرف فرمائینگے۔ جس کی وجہ سے آپؑ کی جماعت ، اعلیٰ مقامات و مراتب کی حامل ہوگی۔ چنانچہ روایت ہے کہ :-

قال رسول اللہ ﷺ انی لاعرف قوماھم بمنزلتی فقال الاصحاب کیف یکون یا رسول اللہِ انت خاتم النبیین ولا نبی بعدک فقال سوا من الانبیاء و لکن یغبطھم الانبیاء بقرتھم و مقعدھم من اللہ و ھم المتحابون فی اللہ۔

(تفسیر کبیر جلد ثانی)

ترجمہ :- فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل میں ہے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ایسا کیونکر ہو سکے گا جب کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہونگے لیکن اللہ سے اُن کے قرب اور مقامِ قرب کی وجہ سے انبیاء اُن پر رشک کرینگے۔ اور وہ سب اللہ سے محبت رکھنے والے ہونگے۔

اس حدیثِ شریف میں " بَمَنْزِلَتِیْ " (میری منزل میں ہے) مذکور ہے۔ اس سے اس قوم کا رسول اللہ ﷺ کے ہم مرتبہ ہونا ، لازم نہیں آتا۔ لفظ " منزل " ، صوفیہ کرام میں بھی متعارف اور متداول ہے۔ بعض اولیاء کو بعض انبیاء کا یا بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں کا مقام حاصل ہونے کا ذکر مقصود ہو ، یعنے جو ظہور یا فیضان ، اُس نبی میں تھا وہی ظہور یا فیضان اُس ولی یا بزرگ میں پایا جانے کا بیان کرنا ہو تو مقام ، قایم مقام ۔ شان ، منزل ۔۔۔ برقلب وغیرہ الفاظ سے یہ مفہوم ظاہر کیا جاتا ہے۔
اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:- " علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " (میری امت کے علماءِ بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں) اِس کا بھی وہی مطلب ہے کیونکہ اِن مراتب و مقامات کا تعلق سیرِ انبیاء سے اور سیرِ نبوت و سیرِ ولایتِ محمدیہ سے ہے۔

غرض اس حدیثِ شریف میں اُسی قوم کا ذکر ہے جس کا آئیہ کریمہ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اس حدیثِ شریف کی تائید نہ صرف مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ سے ہورہی ہے بلکہ دوسری احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں اِسی نوع کی تصریحات پائی جاتی ہیں۔ یہ تصریحات ، قرآن ہی کی تفسیر ہیں جن سے تفسیر القرآن بالحدیث کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ میں قومِ مہدی ءِ موعودؑ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ، اُن کی بالتطبیق تفصیلات کے لئے مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ یہاں بالاختصار بیان مقصود ہے تاکہ ان صفات کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

1- يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (اللہ اس قوم سے محبت کرے گا ، وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی) اس آئیہ شریفہ میں اہم نکتہ یہ ہے کہ يُحِبُّهُمْ پہلے ہے۔اس سے اس قوم کی شانِ عظمت اور علومرتبت ، اظہر من الشمس ہے۔

2- اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۫ (مومنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ایسی ہی شان ، بیان فرمائی گئی۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وَ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

(آپس میں رحم دل اور کفار کے مقابلہ میں شدید ہونگے)

واضح ہو کہ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ، ایک یہ کہ ظالمانہ قوت کی مدافعت ، قوت سے کی جائے۔ جیسا کہ دورِ نبوت میں جہاد بالسیف کے واقعات ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ اگر قوت سے مدافعت ممکن نہیں ہے تو استقامت سے حفاظتِ ایمان میں غلبہ حاصل کیا جائے۔ اگر دشمنِ دین ، ظلم و جبر کر رہا ہو کہ ایمان سے باز آجائیں ، مرتد ہوجائیں ، اور قوت سے مدافعت کے اسباب حاصل نہیں ہیں تو مومن کو چاہیئے کہ ہر طرح کے ظلم و تشدد اور ہر قسم کی اذیت کو برداشت کرلے۔ استقامت فی الایمان میں ذرا سی بھی کمی یا لغزش نہ ہونے دے۔ حتیٰ کہ جان دے دے۔ لیکن ایمان کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ایمان کی حفاظت اور استقامت سے متزلزل کرنے میں دشمنِ دین کو ناکام کردینا بھی ظالم کے مقابلہ میں مومن کا عظیم غلبہ ہے۔!!!! ایسی بہت سی مثالیں دورِ نبوت اور دورِ ولایت میں پائی جاتی ہیں۔

مثلاً حضرت علامہ شیخ مصطفیٰ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ پر حکومت کی رعونت کے تحت ، شدید سے شدید مظالم ڈھائے گئے ، بے رحمانہ اذیتیں پہنچائی گیئں ، ہر طرح سے مجبور کیا گیا کہ آپ مذہبِ مہدویہ سے تائب ہو جائیں۔ ارتداد کا اعلان کردیں۔ لیکن آپ یہی فرماتے رہے :-

تل سر اوپر مارے گھن

ارّے سیتی چیرے تن

تب بھی نکلے یا ہی سخن

مہدیؑ آن گذشت کیا !!!

یعنے سر پر گھن سے مارو ، جسم کو آرے سے چیرو ، تب بھی زبان سے یہی بات نکلے گی کہ مہدی ءِ موعودؑ آئے اور گئے ۔!!!

آپؑ کے والدِ ماجد حضرت علامہ بندگی میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہٗ نے بھی حفاظتِ ایمان میں غالب رہنے کے لئے اپنی داڑھی ، خون میں رنگی جانا گوارا کیا ، شہید ہوگئے ۔ لیکن دشمنانِ دین کے ظالمانہ مطالبۂ ارتدادِ مذہبِ مہدویہ کو ناکام بناکر اپنی جان ، اپنے خالق کے نذر کردی ۔!!! ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

تاریخِ مہدویہ میں ایسے سینکڑوں واقعات موجود ہیں ۔

3۔ یُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرینگے) ۔

4- لَایَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے ۔

قومِ مہدیہ کی کتبِ سیر کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ یہ سب صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں ، بلکہ غیر مہدوی مورخین و تذکرہ نویسوں کی اکثر کتابوں میں بھی اس کی شہادتیں پائی جاتی ہیں ۔

غرض یہ کہ امامنا حضرت مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اور آپؑ کی قوم میں یُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (اللہ کے راستے میں جہاد کرینگے ۔) کی خصوصیت بھی بدرجۂ کمال موجود تھی ۔

جہاد فی الاسلام اور اُس کی خصوصیات بھی دینِ اسلام کے بنیادی اہم مسائل میں شامل ہیں۔ اُن کی بالتفصیل توضیحات کے لئے مستقل اور ضخیم تالیف کی ضرورت ہے۔ یہاں مختصراً "جہاد" کی بعض خصوصیات کا بیان ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں امامنا علیہ السلام کی تعلیماتِ مذہبِ اسلام کی اہم خصوصیت واضح ہو سکے۔ جس کے لئے آپؑ کی بعثت، اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمائی ہے۔

اولاً اس حقیقت کو سمجھنا اور دلنشین کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی اور اہم خصوصیت یہ ارشاد فرمائی ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعَالَمِیۡنَ ۝ (سورۃ الانبیاء)107

ترجمہ :- اور ہم نے آپؐ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس لئے آپؐ کا وجودِ مبارک، دنیا کے کسی فرد کے لئے بھی باعثِ زحمت نہیں ہوسکتا۔ کرۂ ارض کے علاوہ کائنات کے ہر عالم کے لئے بھی آپؐ کا وجودِ مبارک رحمت ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کرۂ ارض کے علاوہ کروڑہا اجرامِ فلکی، سیارے اور ثوابت، کائنات میں موجود ہیں جن کی تعداد کا تعین، انسان کی طاقت سے ممکن نہیں ہے۔ اور جن میں سے بعض پر حیات کے آثار پائے جانے کا ماہرینِ فلکیات اور سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان میں " رَبُّ الۡمَشَارِقِ وَ الۡمَغَارِبِ " فرمایا ہے۔ کیونکہ کرۂ ارض کے علاوہ کائنات کے جس کرۂ میں آفتاب، طلوع و غروب ہوتا ہو، اُس کے لئے بھی مشرق و مغرب کا اطلاق درست ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشارق و مغارب جمع کے لفظ ارشاد فرمائے ہیں کیونکہ اللہ اُن سب کا رب ہے۔ اسی لئے " اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ " بھی فرمایا ہے۔

صرف "رَبُّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ" یا "رَبُّ عَالَمِ الۡاَرۡضِ" نہیں فرمایا بلکہ "رَبُّ السَّمَاوَتِ وَالۡاَرۡضِ" فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی شانِ ربوبیت کے بارے میں "عَالَمِیۡنَ" کا جامع لفظ ارشاد فرمایا ہے، جس میں کائنات کے وہ تمام

عالم بھی شامل ہیں جن کا علم ہم کو نہیں ہے۔ اِسی طرح خاتم الانبیاء ﷺ کی شانِ رحمت کے لئے بھی " عَالَمِیْنَ " کا جامع لفظ ارشاد فرمایا ہے۔

غرض یہ کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے شمائل و خصائل اور آپؐ کے فضائل میں " رَحْمَتُہً لِّلْعَالَمِیْنَ " کی خصوصیت ، بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ جن لوگوں نے مسائلِ جہاد کو سمجھنے میں آپؐ کے اس اہم وصف کی روشنی سے استفادہ نہیں کیا، وہ لوگ " جہاد" کو ایسی شکل و صورت میں پیش کرنے کے مرتکب ہوئے ، اور بعض مسلم بادشاہ ، حکام اور بعض مسلم عوام سے خلافِ احکامِ شرع ایسے جارحانہ افعال سرزد ہوئے کہ غیر مسلم اہلِ علم و تنقید کو یہ الزام عاید کرنے کا موقع مل گیا کہ " اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔"

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ صرف ملکِ عرب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک و مذاہب و مسالک میں انسان کی جان کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ انفرادی و اجتماعی ، ہر حیثیت سے انسانوں کا خون ، بے دریغ بہایا جاتا تھا۔ دردناک سزائیں دی جاتی تھیں اور انسانی جانوں کی وحشیانہ قربانیاں دی جاتی تھیں۔ جنگ و جدال ، بربریت ، ظلم و استبداد اور قزاقی کے لرزہ براندام کر دینے والے ہزاروں واقعات سے تاریخِ عالم کے اوراق رنگین ہیں۔

صرف مذہبِ اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس نے انسان کی جان کے احترام کا درس دیا۔ اس کے بعد بھی لوگ اسلام کی اس اعلیٰ تعلیم سے بے بہرہ رہے اور رہیں گے ، اُن سے انفرادی یا اجتماعی ، ہر حیثیت میں ظلم و بربریت کا ظہور ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ خود مسلمانوں کا بھی یہی حال ہوسکتا ہے ، جب کہ وہ تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہوجائیں۔ اسی لئے یہ کہنا ، بے جا نہ ہوگا کہ مسلمانوں کا ذاتی عمل ، اسلام نہیں ہے ، اسلام تو وہی ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہو اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل شاہد ہو۔

انسان کی جان کے احترام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

(1) مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۚۛ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط (سورۃ المائدہ) 32

ترجمہ :- اِسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے لکھدیا ہے کہ جو کوئی کسی کی جان لے ، بغیر اس کے کہ اُس نے کسی کی جان لی ہو ، یا

زمین میں فساد کیا ہو ، تو گویا اُس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس کسی نے کسی کی جان کو بچایا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچایا۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے :-

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورة الانعام) 151

ترجمہ :- اے محمد ! کہو کہ آؤ ! میں تم کو پڑھ سناؤں کہ تمہارے اللہ نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے (تم پر واجب ہے) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین سے نیک سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے باعث قتل نہ کرو۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں۔اور اُن کو بھی (دینگے) بدکاریوں کے قریب نہ ہوں۔ خواہ وہ کھلی بدکاریاں ہوں یا چھپی ہوئی ۔اور اُس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے۔مگر حق کے سبب سے۔ اللہ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے ، شاید کہ تم سمجھو۔

پہلی آیت میں " بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ " (کسی کو قتل کرنے یا فساد برپا کرنے کے بغیر) اور دوسری آیت میں " اِلَّا بِالْحَقِّ " (مگر حق کے سبب) جو ارشاد ہوا ہے ، اس میں دَفعِ ظلم کے لئے جوازِ قتل کا پہلو ، بھی موجود ہے۔ورنہ لاقانونیت اور وحشیانہ افعال کی آزادی ہوجائے گی ، جو اقتضائے عدل اور مَدَنی زندگی کے اُصول کے صریح منافی ہے۔ اسی لئے ہر کام ، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کے تابع ہونا ضروری ہے۔

اس سے قبل حضرت سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر بیان کیا جاچکا ہے۔

بے حکمِ شرع ، آب خوردن خطا ست

وگر خوں ، بفتویٰ بریزی روا ست

یعنے شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا بھی ، خطا ہے۔ اگر شرعی فتویٰ کے تحت کسی کا خون کیا جائے تو روا ہے۔!!

اللہ تعالیٰ نے "قتلِ خطا" اور "قتلِ عمد" ، دونوں کے احکام بھی قرآنِ مجید میں بیان فرما دیئے ہیں۔ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ارتکابِ قتل ہو جائے اور مقتول ، مومن ہو یا کافر و مشرک دونوں صورتوں میں خونبہا ، ادا کرنے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اگر قاتل مفلس ہو، خونبہا ، ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل دو مہینے یعنے ساٹھ (60) روزے رکھنا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (سورة النساء) 92

ترجمہ :- یعنے جس (قاتلِ خطا) کے لئے خونبہا کی پابجائی ممکن نہ ہو تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے (یہ) اللہ کی طرف سے توبہ و رجوع ہے۔ اللہ جاننے والا حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا بھی فرمایا ہے تاکہ ان احکام کا اتباع ، دل کی پاکی ، اللہ کے خوف اور تقویٰ سے کیا جائے۔

اسی طرح قتلِ عمد، کی سزاء کے بھی احکام ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ (سورة البقرہ)178

ترجمہ :- اے ایمان والو! قتلِ عمد کی صورت میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص کے احکام و شرائط بھی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز "قتلِ عمد" کی صورت میں اگر کسی وجہ سے قصاص نہ ہونے پائے تو قاتل کے لئے آخرت کی سزاء سے بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔ جس طرح کافر و مشرک کے لئے کفر و شرک کی سزاء دائمی جہنم ہے۔ اسی طرح قتلِ عمد کی سزاء بھی عنداللہ، آخرت میں دائمی جہنم اور عذابِ عظیم قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

(سورة النساء) 93

ترجمہ :- اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا ، اُس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ اُس پر غضبناک ہوگا اور اُس کو رحمت سے دور کردے گا۔ اور اُس کے لئے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی نے انسان کی جان کے احترام اور قتلِ ناحق کے بارے میں کیسے تاکیدی احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب اور اللہ کی ناخوشی سے کس قدر واضح طور پر آ گاہ فرمایا ہے۔

اس مضمون کی احادیثِ شریفہ بھی ہیں۔

حضرت ابنِ عمرؓ روایت کرتے ہیں :-

لَنْ یَتَنَزَّلُ الْمُؤْمِنُ فِی فُسْحَةٍ مِّنْ دِیْنِہٖ مَالَمْ یُصِبْ دَمًاحَرَامًا

ترجمہ :- یعنے مومن، اپنے دین کی وسعت میں اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ ایسا خون نہیں بہاتا، جو حرام ہے۔

نسائی کی حدیثِ شریف ہے :-

اَوَّلُ مَایُحَاسِبُ بِہِ الْعَبْدُالصَّلٰوۃ وَاَوَّلُ مَایُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِی الدِّمَاءِ

ترجمہ :- یعنے قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اور سب سے پہلے جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔

محدیثین نے اس حدیثِ شریف کو " متواتر " تسلیم کیا ہے۔ متواتر کی شان یہ ہے کہ اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس حدیثِ متواتر سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح نماز کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح خونِ ناحق سے بچنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے، اللہ تعالٰی نماز نہ پڑھنے اور قتلِ ناحق کے بارے میں حساب لے گا۔ اور فیصلہ فرمائے گا۔!!!

نیز آدابِ تبلیغِ اسلام کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے مذاہب کے باطل معبودوں کی ظالمانہ و جاہلانہ توہین سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے :-

وَلَا تَسُبُّواالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّواللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِعِلْمٍ ط (سورۃ الانعام)108

ترجمہ :- اور مت گالی دو اُن کو جن کی اللہ کے سوائے یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ پس وہ بے علمی کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی

شان میں گستاخی کریں گے۔

حتیٰ کہ دیگر مذاہب ومعابد (یعنے عبادت گاہوں) پر ظالمانہ دست درازی سے باز رہنے کی ہدایت بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَوْلَادَفْعُ اللّٰهِ النَّاسِ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَااسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط

(سورة الحج) 40

ترجمہ :- اگر اللہ ، لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معابد و مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دیئے جاتے۔

اس آئیہ شریفہ کو گہری نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس آئیہ شریفہ سے جنگ کی مصلحت وضرورت پر بھی روشنی پڑ رہی ہے اور وحشیانہ دست درازی ، انسانیت سے بعید، ظالمانہ اقدام سے باز رکھنے کی اعلیٰ تعلیم بھی پائی جاتی ہے۔

اس آئیہ شریفہ میں مسلمانوں کی مساجد کلیساتھ اور تین قسم کی عبادت گاہوں کا ذکر ، ایسے جامع الفاظ میں فرمایا ہے کہ جن کا پوری دنیا کے مذاہب ومسالک کی عباد گاہوں پر اطلاق ہوسکتا ہے۔

بلکہ " مَسَاجِدُ " کا ذکر آخر میں ہوا ہے۔ " صَوَامِعٌ" سے مراد ، راہب خانے اور مجوسیوں اور صائبیوں کے عبادت خانے ہیں "بِيَعٌ" سے مراد، عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے کتالیں ہیں ۔تیسرا زیادہ جامع لفظ " صَلَوٰتٌ" ہے۔جس کا اطلاق ہر عبادت خانہ پر ہوسکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ انصاف پر عمل کرنے والوں کے ذریعہ سے فتنہ و فساد برپا کرنے والے ظالم و قاتل لوگوں کی حیوانیت و درندگی کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا سنگدلی و بدبختی ہوسکتی ہے کہ مذہبی یا سیاسی عداوت و نفسانیت کے تحت، دوسری قوم کی عبادت گاہوں کو بھی برباد کردے۔!!!

یہاں یہ ایراد نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت محمد ﷺ نے کعبۃ اللہ کے بت توڑ دیئے تھے کیونکہ وہ مشرکین کا بنایا ہوا، بت خانہ نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بڑی محنت اور صبرآزما مصائب برداشت کرکے قلبی دعاؤں کے ساتھ اللہ کا گھر تعمیر کیا تھا۔ بعد کے زمانوں میں مرتدین ، کفار و مشرکین نے اپنی نفسانیت اور اپنے باطل عقاید کے تحت ، اُس اللہ کے گھر میں بت بٹھا دیئے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کو جب قوت و غلبہ حاصل ہوا اور مکہ فتح ہوگیا تو آپؐ نے اُن بتوں کو نکال دیا ، جو زبردستی اللہ کے گھر میں بٹھا دیئے گئے تھے۔!!

حاصلِ کلام یہ کہ مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ سے جہاں دینِ اسلام کی عدالت و انصاف پسندی اور دوسری اقوام کے مذاہب اور اُن کی عبادت گاہوں سے رواداری کی اعلیٰ تعلیم پر بھی روشنی پڑ رہی ہے۔ وہیں یہ بھی واضح ہورہا ہے کہ "اصلاح" کی ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جس میں تلوار اٹھانا فرض ہوجاتا ہے۔

آئیہ شریفہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (سورۃ النساء) 93 (اور جو شخص مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اُس کی جزاء جہنم ہے۔ جس میں ہمیشہ رہے گا) کی شانِ نزول سے نتیجہ اخذ کرنے میں اور اس آئیہ شریفہ کا منشاءِ الٰہی سمجھنے اور بیان کرنے میں مفسرین میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔

علامہ شمسی مہدوی مرحوم نے اپنی تفسیر بزبانِ عربی (لوامع البیان) میں اُن اختلافات کا جو تذکرہ کیا ہے ملخصاً پیش کیا جاتا ہے:-

اس آئیہ شریفہ کی شانِ نزول کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت "مقیس بن البابتہ الکنانی" کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس نے اور اُس کے بھائی ہشام نے اسلام قبول کیا تھا اُس کے اپنے بھائی ہشام کو قبیلۂ بنی بخار میں مقتول پڑا ہوا پایا۔ ہشام اور قبیلۂ بنی بخار کے اس حادثہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مقیس نے عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے "قبیلۂ بنی فہر" سے ایک قاصد کو مقیس کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ان دونوں نے وہاں پہنچکر اہلِ قبیلۂ بنی بخار سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سب کو حکم دیا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں۔ اگر تم ہشام کے قاتل کو جانتے ہو تو ہمارے حوالے کردو۔ ورنہ ہشام کے بھائی مقیس کو ہشام

کے قتل کی " دِیَت" ادا کرو۔

ان سب نے کہا بسر و چشم ، حکم کی اطاعت کی جائے گی۔ ہشام کے قاتل کو ہم نہیں جانتے ہیں لیکن اس کی " دِیَت" ادا کرینگے۔ انہوں نے مقیس کو ایک سو (100) اونٹ بطورِ "دِیَت" دیدئے۔

" مقیس اور قاصد بنی فہر ، دونوں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے۔ راستہ میں شیطان نے مقیس کو گھیر لیا۔ اور یہ " وسوسہ " پیدا کیا کہ رسول اللہ کے پاس نہ جائے۔ ساتھی قاصد کو قتل کردے اور مرتد ہوکر مکہ کی طرف فرار ہو جائے۔ مقیس نے اس شیطانی وسوسہ پر عمل کرتے ہوئے قاصد بنی فہر کو قتل کردیا۔ مرتد بن کر مکہ کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔

اس روایت کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے مقیس ، دل سے مسلمان نہ ہوا ہو۔ اس کے دل میں کفر برابر موجود ہو گا ورنہ اللہ و رسولؐ کی محبت دل سے رکھنے والا ، ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اور شیطان کا انسان کی صورت میں پیش ہوکر علانیہ ، مقیس میں وسوسہ پیدا کرنا بھی کوئی قابلِ اعتبار بات نہیں ہے۔ فی الحقیقت مقیس ، حبِ متاعِ حیاتِ دنیا میں ملوث تھا۔ اس لئے اس نے گمراہی اختیار کی۔

اس تنقید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اس آیت کو جن مفسرین نے منسوخ قرار دیا ہے ، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت ایک کافر کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ جس نے ایک مومن ، رسول اللہ ﷺ کے قاصد ، بنی فہر کو عمداً قتل کیا تھا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے اور قرآنِ مجید کی آئیہ شریفہ :-

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ (سورة الفرقان) 68

ترجمہ :-اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی معبود کی پرستش نہیں کرتے ، اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے قتل نہیں کرتے ، مگر حق پر۔ اور نہ زنا کرتے ہیں۔

کو اُس آئیہ شریفہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔الخ " کی ناسخ قرار دیا ہے۔ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے۔ کیونکہ آئیہ شریفہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔الخ" آئیہ مذکورہ کے چھ (6) مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ "ابوداوٗد" نے خارجہ بن زید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ آئیہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔۔الخ " آئیہ

" وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔۔الخ " آئیہ " وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔۔الخ " کے چھ (6) مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔

اور "نسائی" کی روایت ہے کہ آٹھ مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔!!

اس سے ظاہر ہے کہ جو آیت ، بعد نازل ہوئی ہو ، اُس کی ناسخ ، اس سے پہلے کی آیت کیسے ہوسکتی ہے؟ کیونکہ قولِ اول کو بعد کے قول سے منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن پہلے کے قول سے بعد کے قول کو منسوخ قرار دینا سراسر، عقل و نقل کے خلاف ہے۔!!

بعض مفسرین نے آئیہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔۔الخ " کو اس لئے منسوخ قرار دیا ہے کہ اس کی ناسخ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے۔ " اِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ "ۚ (سورۃ النساء) 48

ترجمہ :- یعنے بے شک اللہ ، شرک کے سوائے جس کے چاہے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

جو لوگ آئیہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔۔الخ" کو غیر منسوخ مانتے ہیں ، انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض (اختلاف) جو نظر آتا ہے اُس کو مرتفع کرنا ، ناممکن نہیں ہے کیونکہ سورۂ نساء کی مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ کو " تقیید" پر محمول کیا جاسکتا ہے۔اس سے یہ معنی ہونگے کہ جو توبہ نہ کرے ، اُس کی جزاء ، جہنم ہے۔اور کلمہ " تاب " اس آئیہ شریفہ میں بھی موجود ہے ، جس کو بعض مفسرین نے ناسخ قرار دیا ہے۔ جس سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَايَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورۃ الفرقان) 68-70

ترجمہ :- اور جو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے قتل نہیں کرتے مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزاء سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب دگنا کردیا جائے گا۔ اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔مگر جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لہذا آئیہ شریفہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۔الخ "(سورۃ النساء)93 منسوخ نہیں قرار دی جاسکتی۔اس آئیہ شریفہ کے ذیل میں مفسرین کی اور بھی بحثیں پائی جاتی ہیں۔ بعض نے وعید قرار دی ، بعض نے خبر قرار دی ۔ حالانکہ یہ آئیہ شریفہ وعید ہے نہ خبر بلکہ "جملۂ شرطیہ" ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کو عداً قتل کرے گا تو اُس کی جزاء جہنم ہوگی۔جس میں ہمیشہ رہے گا۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ "حکم" ہے کہ یہ سزاء دی جائے گی۔

علامہ شمسی مہدوی مرحوم نے مفسرین کی آراء اور مابہ النزاع مسائل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق میں دوسری ہی بات کہونگا وہ یہ کہ جو شخص عداً قتل کرے اور بعد میں اگر وہ اللہ سے ڈرے ، نادم ہو اور احکامِ شرع کی اتباع سے سرتابی نہ کرے تو اس قاتلِ عمد پر ایمان کا حکم عاید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۔۔الخ ۝ "(سورۃ البقرہ) 179

ترجمہ :۔ اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے ۔

اگر خوف و ندامت بھی نہ ہو ، توبہ بھی نہ کرے تو وہ قاتلِ عمد ، مومن حقیقی نہیں ہوسکتا ، اگرچہ کہ بظاہر مسلمان ہو۔ پھر بھی عنداللہ کافر ہی رہے گا۔کیوں کہ اس قاتلِ عمد میں خوف و ندامت نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں خدائے تعالٰی کے انتقام و قہر اور اس کے انصاف و محاسبہ پر اُس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔اس لئے بلاشبہ وہ کافر کے حکم میں ہے۔اور کافر کی سزاء دائمی جہنم ہے۔

اس توجیہ سے ثابت ہے کہ آئیہ شریفہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا"۔۔الخ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (لوامع البیان جلد3)

اس بحث میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ آئیہ شریفہ ایسے کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عداً قتل کردیا ہو ؟ یا ایسے مومن کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عداً قتل کیا ہو ؟

سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہ آیت ایسے مومن کے حق میں وارد ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عداً قتل کیا ہو۔شانِ نزول کی روایت بھی یہ ثابت ہے کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عداً قتل کیا ہے۔ کیونکہ مقیس نے بنی فہر کے لئے مسلمان شخص کو جسے

رسول اللہ ﷺ نے اپنا قاصد بنا کر اُس کے ساتھ روانہ کیا تھا، قتل کر دیا۔

اگر اس آئیہ شریفہ کو کافر کے لئے مخصوص کیا جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ کافر کی سزاء تو بہرحال دائمی جہنم ہوگی، کوئی کافر اگر کسی کو قتل کردے اور حکومتِ وقت، تعزیراً قصاص کے طور پر اس کو قتل بھی کردے، تب بھی کفر کی وجہ سے اس کی سزاء آخرت میں دائمی جہنم ہوگی۔ اس لئے دائمی جہنم کی سزاء کسی کافر کے حق میں جو قتلِ عمد کا مرتکب ہوا ہو، بیان کرنا، تحصیلِ حاصل ہوگا۔ ایسا غیر ضروری بیان، کلام اللہ کی شان کے بالکل مغائر ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آئیہ شریفہ ایسے مومن کے حق میں وارد ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کردیا ہو تو اس صورت میں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ چوری، زنا، قتل وغیرہ جرائم کے ارتکاب سے مومن کو "فاسق" قرار دیا جاتا ہے۔ ازروئے مسلمات و عقایدِ اکابر اہلِ سنت، اس پر کفر کا حکم عائد نہیں ہوتا۔ جب سارق، زانی، و قاتل وغیرہ مجرمین پر کفر کا حکم عاید نہیں ہوتا، تو قتل کی سزاء، دائمی جہنم کیسے ہوسکتی ہے؟

چونکہ مومنِ فاسق کی یہ سزاء دوسری آیات کے برخلاف پائی جاتی ہے اس لئے اس آیت کو منسوخ قرار دینا، بعض مفسرین نے ضروری سمجھا۔

حالانکہ قابلِ غور بنیادی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ہر آیت جو اللہ کا کلام ہے، اُس کو منسوخ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس کے قطع نظر یہاں دیکھنا یہ ہے کہ آئیہ مذکورہ کے معانی کو متعین کرنے میں جو دشواری محسوس کی جا رہی ہے اس کو دور کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اگر ممکن ہے تو کلام اللہ کو منسوخ قرار دینے کی بجائے، اس میں تطبیق کی کوشش کو "اُولیٰ و احسن" ماننا لازم ہوگا۔
بعض مفسرین کو آئیہ شریفہ، " فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا ۔۔الخ(سورة النساء) 93 " کے معانی میں اُس آئیہ شریفہ سے تعارض نظر آیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ " اللہ جس کو چاہتا ہے شرک کے سوائے اس کے تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔

حالانکہ اس آئیہ شریفہ کو سمجھنے کے لئے اس سوال کا جواب لازم ہوتا ہے کہ کیا بغیر توبہ کے بھی ہر کسی کے تمام گناہ معاف ہو جائینگے؟

ماننا پڑے گا کہ ازروئے، کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ ﷺ مغفرت کے لئے توبہ ضروری ہے۔

بلکہ از روئے احکامِ دین ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن گناہوں کی توبہ قبول فرمائے گا، جن کا تعلق ، حقوق اللہ کی خلاف ورزی سے ہو۔ اور جن خطاؤں کا تعلق حقوق العباد سے ہو ، بندہ ہی سے معاف کروانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

اب ملاحظہ ہوکہ اُس آئیہ شریفہ میں توبہ کی قید مذکور نہیں ہے۔ اس کے باوجود ، دوسری آیات و احادیث سے مغفرت کے لئے توبہ کی قید لگانا ضروری ہوا۔ ورنہ بغیر توبہ کے ہر کسی کے گناہ ، معاف ہوجانا ، تسلیم کرنا لازم آئے گا ، جو عقل و نقل کے صریح مغائر ہے۔ نیز اللہ کی طرف سے کتابوں کا نازل ہونا اور رسولوں کا آنا سب غیر ضروری ماننا لازم آئے گا۔

اس اعتبار سے آئیہ شریفہ ، " فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا ۔الخ " (سورۃ النساء) 93 کا مطلب متعین کرنے میں توبہ کی قید لاگانے سے کوئی دشواری باقی نہیں رہتی ، صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ جو مومن ، کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا ، کسی حیلہ سے قصاص (نوٹ) سے بچ جائے گا۔ دل میں اللہ سے نہیں ڈرے گا ، رجوع الی اللہ ہوگا نہ توبہ کرے گا ، تو اُس کی یہ شقاوت و بدبختی اُس کو کفر کی سزاء دائمی جہنم کا مستحق بنائے گی۔

نوٹ :- حالانکہ قصاص بھی مومن کے لئے رحمت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :- اے عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے ، یعنے اس دنیا میں اگرچہ کہ خون کے بدلے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ لیکن آخرت میں ابدی حیاتِ ذی رحمت سے سرفراز ہوگا۔!!!

قرآنِ مجید کی دوسری آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ مثلاً :-

اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِيۡقِ ۝ (سورۃ البروج) 10

ترجمہ - جن لوگوں نے مومن مرد اور مومن عورتوں پر ظلم و ستم کئے اور توبہ نہیں کی ، اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور جلائے جانے کی سزاء ہے۔

لہذا آئیہ مذکورہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

بعض مفسرین کو آئیہ شریفہ " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا "۔۔ الخ (سورۃ النساء) 93 کے معانی میں ایک اور آئیہ شریفہ سے تعارض نظر آیا :۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ (سورۃ الفرقان) 68

ترجمہ :۔ اور جو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ، مگر حق پر ، اور وہ زنا نہیں کرتے ۔

اس لئے آئیہ شریفہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۔۔الخ کو منسوخ قرار دے دیا ہے ۔

اس کا جواب گذر چکا کہ یہ آیت چھ(6) یا آٹھ(8) مہینے کے بعد نازل ہوئی ہے اس لئے پہلے کی آیت اس کی ناسخ نہیں ہوسکتی ۔

اس کے علاوہ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس آئیہ شریفہ سے بعض مفسرین نے تعارض سمجھا ہے اُسی آئیہ شریفہ سے وہ تعارض مرتفع ہوجاتا ہے کیونکہ اُس آئیہ شریفہ میں اُن مومنین کا بیان ہے جو کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔ اس کے برخلاف " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔ الخ میں ایسے مومنین کا ذکر ہے جو کسی کو عمداً ناحق قتل کردیا ہو۔ !!

تعارض اُس صورت میں تسلیم کیا جاسکتا تھا جب کہ اُن مفسرین کی پیش کردہ آیت میں یہ مذکور ہوتا کہ ناحق عمداً قتل کرنے والے فعلِ حرام کے مرتکب کی سزاء جہنم نہیں ہے ۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس آئیہ شریفہ میں بھی ایسے فعلِ حرام کے مرتکب کی سزاء صاف طور پر دائمی جہنم بیان کی گئی ہے :۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ۖ (سورۃ الفرقان) 68-69

ترجمہ :۔ اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزاء سے اُس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اُس کا عذاب دُگنا کردیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئیہ شریفہ ، " فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۔۔ الخ " سے اُس آئیہ شریفہ میں تعارض نہیں ہے بلکہ توافق

موجود ہے۔کیونکہ ایک آیت کی تائید دوسری آیت سے ہورہی ہے۔ " یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا " (اُس عذاب میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا) کے الفاظ ، ہدایتاً شاہد ہیں۔لہٰذا جن مفسرین نے جس آیت سے تعارض سمجھا ، اُس کے بعد ہی کی آیت سے مرتفع ہوجاتا ہے۔!!!یہی ایک دلیلِ قاطع و برہانِ واضح ، اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ آیہ شریفہ "وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤمِنًامُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا ۔۔الخ " کومنسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔!!

نیز یہ کہ اس آیہ شریفہ (سورۃ الفرقان)69 کے بعد ہی اِلَّامَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ۔۔الخ (مگر جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور عملِ صالح کیا) کے الفاظ بھی ہیں جو مغفرت کے لئے توبہ کی ضرورت کوظاہر کر رہے ہیں۔

غرض آئیہ شریفہ کے اس حصہ سے ثابت ہورہا ہے کہ جو توبہ کرے گا ایمان لائے گا (احکامِ دین پر) اور نیک عمل کرے گا وہ دائمی جہنم کے عذاب سے بچ جائیگا۔

چنانچہ اس آیہ شریفہ کے بعد ہی اللہ تعالٰی نے یہ بات واضح فرمادی ہے :-

" فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ "(سورۃ الفرقان) 70

ترجمہ :-تو ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ اللہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیہ شریفہ کے اگلے حصوں کو ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر حصہ اس کے دوسرے حصہ سے مربوط ہے۔ اور ثابت ہوجاتا ہے کہ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤمِنًامُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا ۔۔الخ (سورۃ النساء)93 کی روسے بھی عدم توبہ کی صورت میں دایمی جہنم کی سزاء کا مستحق ہو گا۔ لہٰذا، اس آیہ شریفہ کومنسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالٰی نے دائمی جہنم کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے :-

" وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا " (سورۃ النساء) 93

ترجمہ :- اور اللہ اُس پر غضبناک ہوگا اور اُس کو رحمت سے دور کردے گا اور اُس کے لئے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

ایسی آئیہ شریفہ ، جس میں لعنت اور عذابِ جہنم کا نہایت تاکید و اہتمام سے ذکر کیا گیا ہو ، تعجب ہے کہ اُس کو منسوخ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ؟

غرض یہ کہ جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا اور اُس پر مصر رہے گا ، اِس کی سزاء آخرت میں وہی ہوگی جو اُس آئیہ شریفہ میں صریحاً و تاکیداً مذکور ہے ۔

بینة اللہ ، مبین القرآن ، امامِ آخرالزماں ، حضرت مہدیءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ایک موقع پر جو حکم صادر فرمایا ہے اُس کی روشنی میں اس بحث کا ماحصل اور زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آسکتا ہے ۔

روایت ہے کہ حضرت شاہِ نعمت رضی اللہ عنہٗ صحابیِ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام ، سلطان محمود بیگڑہ ، بادشاہِ گجرات کے بہت بڑے درجہ کے ایک امیر ، ملک بڑے کے فرزند تھے ۔ جو "بیانہ" کے متوطن اور شیخ صدیقی تھے ۔ اُن کے انتقال کے بعد منصب امارت ، میاں نعمت کو عطا ہوا جو نوجوان اور ناتجربہ کار تھے ، شجاعت ، سپاہگری پر زعم تھا ۔ بادشاہ و حکام کو خاطر میں نہیں لاتے تھے ۔ ایک دفعہ بعض امرائے گجرات سے تکرار ہوگئی تو آپ نے سات (7) امیروں کا قتل کردیا ۔ پچیس یا تیس (25 یا 30) آدمیوں کو ہموار کرکے شہر سے نکل گئے ۔ احمدآباد کے اطراف کے علاقوں میں گھومنے لگے ۔

ایک دن عبداللہ نامی حبشی ، شاہی غلام کے لڑکے کو بھی آپ نے قتل کردیا ۔ پانچ یا سات سو بہادر سواروں کی جمیعت ، گرفتاری کے لئے روانہ کی گئی ۔ لیکن آپ نے پرواہ نہ کی ۔ اور اپنے آزادانہ موقف کو برابر جاری رکھا ۔ آخر تعاقب کرتے کرتے فوج تھک گئی ۔

ایک روز اُس فوج کے ایک سو (100) سواروں کی ایک جماعت ، تعاقب میں موضعِ سانتیج سے گزری ، میاں نعمت کا سراغ لگ گیا ۔ فوراً یلغار کردی ۔ میاں نعمت اور آپ کی جماعت کے گھوڑے بھی تیزی سے زمین کے نشیب و فراز طے کر رہے تھے ۔

"سانتیج" کے قریب عصر کی اذاں کی آواز سنائی دی ۔ میاں نعمت نے ساتھیوں سے کہا ، اذاں ہو رہی ہے نماز پڑھ لینی چاہئے ۔ ساتھیوں نے گھبرائے ہوئے کہا کہ دشمن تعاقب میں ہے ، ہم سب کے گرفتار ہوجانے کا اندیشہ ہے ۔ لیکن میاں نعمت نے پرواہ نہ کی ، وضو کرکے نماز شروع کردی ۔ ساتھیوں کو ٹھیرنے کی ہمت نہ ہوئی ، راہِ فرار اختیار کی ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں نعمت اس حال میں بھی نماز کے پابند تھے اور آپ کی دینداری ، آپ کے یقینِ محکم اور آپ کی بے باکی

،کی برابری کرنے والا ساتھیوں میں کوئی نہ تھا۔

فوج نے بھاگے ہوئے گھوڑوں کے نشانات پر تعاقب جاری رکھا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک گھوڑا، کھڑا ہے۔ جس کی لگام درخت سے باندھی ہوئی ہے۔ اور سوار ، کمالِ خشوع و خضوع سے نماز میں منہمک ہے۔ بعض فوجیوں نے رائے قائم کی کہ یہ فرار شدہ ٹولی ہی کا فرد ہوگا۔ اور بعض نے اس رائے کو غلط ٹھہرایا۔ بعض نے اُس سوار کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرار شدہ ٹولی کا پتہ لگانے کی رائے دی۔ آخر میں طے پایا کی اس عرصہ میں فرار شدہ ٹولی بہت آگے نکل جائے گی اور تعاقب نا ممکن ہوجائے گا۔ اس لئے سب تعاقب میں روانہ ہوگئے۔

میاں نعمت نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد موضعِ "سانتیج" کے باشندوں سے دریافت کیا کہ اس جنگل میں اذاں کس نے دی۔ اُن لوگوں نے کہا کہ "اہل اللہ و متوکل علی اللہ" بزرگوں کی ایک جماعت احمدآباد سے یہاں آئی ہوئی ہے۔ اس کے پیشوا حضرت سید محمدؑ جونپوری ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس اذاں میں بھی زبردست کشش و جاذبیت تھی جس کی وجہ سے میاں نعمت میں انقلاب پیدا ہوگیا۔ سب افکار سے بالاتر ہوکر حضرتؑ سے ملنے کے مشتاق ہوگئے۔

وہاں پہنچے تو اُس وقت حضرت مہدی علیہ السلام حسبِ عادت ، عصر و مغرب کے درمیان ، بیانِ قرآن فرمارہے تھے۔ میاں نعمت کو دیکھتے ہی فرمایا ، "آؤ میاں نعمت" ، یہ اماماً کا اعجاز تھا ، آنے والے نئے شخص کو از خود نام لے کر بلایا کرتے تھے۔ اس اعجاز کا سب پر حیرت انگیز اثر ہوا کرتا تھا۔

بیانِ کلام اللہ کی تاثیر سے میاں نعمت پر بے خودی طاری ہورہی تھی۔ اور قتل و خون کے حادثات کا رنج و ملال ، اس قدر ہورہا تھا کہ آنسو رواں تھے۔ دل مضطرب ہوگیا تھا۔ بیانِ قرآن ختم ہونے کے بعد میاں نعمت ، مہدیءِ موعود علیہ السلام کے قدمِ مبارک پر گر پڑے۔ عجز و نیاز سے زار زار ہوکر اپنے گناہوں کا اظہار کررہے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا، میاں نعمت، تم بے شک نعمت ہو۔!! اس کے بعد فرمایا کہ توبہ کرو!!! خدا غفورالرحیم ہے۔اس کے بعد ذکرِ خفی کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ "حق الناس" (لوگوں کا حق) معاف نہیں ہوتا جب تک اس کے مستحق معاف نہ کردیں !!!

میاں نعمت ، اجازت لے کر رونہ ہوگئے۔ ننگی تلوار لئے ہوئے پہلے اُس حبشی عبداللہ کے گھر پہنچے۔ آواز دی ، عبداللہ ننگی تلوار لئے ہوئے دیکھ کر گھبرایا۔ میاں نعمت نے فرمایا، گھبراؤ نہیں ،تلوار عبداللہ کے ہاتھ میں تھماکر ، اپنی گردن جھکا دی کہ اپنے لڑکے کے قتل کا بدلہ لے۔ کیونکہ قصاص واجب ہے۔!!

عبداللہ حیران ہوگیا کہ ایسا جری و بہادر شخص ، جس سے شاہی فوج تنگ آگئی ہو ، اُس کا دل اس قدر نرم ہوجانا ، اور اپنی جان سے بے پروا ہوکر احکامِ دین کے اتباع کی طرف رجوع ہو جانا ، معمولی بات نہیں ہے۔ اُس نے اس غیر معمولی تبدیلی کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے حضرت مہدی علیہ السلام کی تاثیراتِ بیانِ قرآن و صحبتِ فیض درجات کا ذکر کیا۔

عبداللہ میں بھی عشقِ الٰہی کی طرف رغبت پیدا ہوگئی۔ میاں نعمت کے ہاتھ سے اُس کے لڑکے کا ناحق خون جو ہوا تھا اللہ کے لئے معاف کردیا۔ اور سیدھے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے روانہ ہوگیا۔اُس وقت تک آپؑ ، " پٹن " تشریف لے جا چکے تھے۔ وہاں حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔

شاہِ نعمت نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ جس جس کا خون آپ کے ہاتھ سے ہوا تھا ، اُس کے ورثہ سے اسی طرح خون معاف کروایا۔ اس کے بعد اپنے گھر جاکر اپنی دونوں بیویوں کا حق ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ بندہ نے ہجرت کرکے حضرت سید محمد علیہ السلام کی صحبتِ کیمیا تاثیر سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا ہے ، اس لئے تم کو اختیار دیتا ہے ، بندہ کا کوئی جبر نہیں ہے۔

اس کے بعد روانہ ہوکر پٹن میں حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف 29 سال تھی۔ خدائے غفور و رحیم نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کو سات (7) سال حضرتؑ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ دربارِ گوہر سے بڑی بڑی بشارتیں آپؑ کو عطا ہوئیں۔ مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد 24 یا 25 سال تک خلق کو خالق کی طرف بلانے میں اور مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے فیضانِ عشق و دیدار و طلبِ دیدارالٰہی کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ 61 سال کی عمر

میں بتاریخ 22 شعبان 935 ہجری ، 17 یا 21 پاکانِ خدا ، متوکلین علی اللہ کے ساتھ صفِ نماز پر "ناحق" شہید کر دیئے گئے۔

ان مختصر سوانح عظیمہ سے متبادر ہے کہ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے صرف توبہ و رجوع الی اللہ ، کو کافی نہیں قرار دیا۔ بلکہ "حقوق الناس" کی پابجائی کے لئے قصاص یا خون وغیرہ خطاؤں کی معافی حاصل ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔تاکہ کمالِ اخلاص کے ساتھ عندالناس و عنداللہ ، دنیا و آخرت میں کامل خلاصی نصیب ہو۔ !!!

حاصلِ کلام یہ کہ جو مومن ،کسی مومن کو عمداً ناحق قتل کرے ، اور اس کے تعلق سے دینِ اسلام کے قائم کردہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائی سے محروم رہ جائے تو حسبِ آئیہ شریفہ :-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

(سورة النساء) 93

ترجمہ : اور جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا ، اُس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ اُس پر غضبناک ہوگا اور اُس کو رحمت سے دور کردے گا اور اُس کے لئے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

عنداللہ ، قیامت میں دائمی جہنم کی سزاء کا مستحق ہوگا !!! اللّٰھُمَّ احفظنا عن الشرور والفتن

اس سے ثابت ہے کہ دینِ اسلام میں انسان کی جان کے احترام و تحفظ کا فقید المثال اہتمام پایا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید و احادیثِ شریفہ میں کسی جگہ بھی کوئی ایسا حکم یا ایسا ارشاد نہیں ملتا ، جس میں کسی پر جبر و تشدد سے یا تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کو روا رکھا گیا ہو۔ جن آیات میں "جہاد" سے مراد ، قتال (جنگ) ہے ، اُن میں سے کسی آیت میں بھی عبارتاً ، اشارتاً ، دلالتاً ، یا اقتضاءً یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی کو مسلمان بنانے کے لئے جہاد بالسیف کا حکم دیا گیا ہو۔

جنگ کے جو کچھ اسباب بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے بنیادی اسباب یہ ہیں کہ مسلمانوں کا ناحق قتل و خون ہو رہا ہو ، یا فتنہ و فساد اس درجہ پر ہو رہا ہو کہ آئیہ شریفہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (فتنہ ، قتل سے زیادہ شدید ہے) کے مطابق صورت ، باعتبارِ دین پیدا ہوگئی ہو، یا دینِ اسلام اور حکومتِ اسلامیہ (حکومتِ اسلامیہ کا اطلاق مسلمانوں کی ایسی حکومت پر ہو سکتا ہے ، جس کو شریعتِ اسلامیہ کے بالکل

مطابق حکومت کرنے کی قدرت حاصل ہو، جس مسلم حکومت کے مسلمان صدور و حکام خود صورت و سیرت میں اسلامی احکام کے پابند نہ ہوں اور غیر اسلامی حکومتوں کے بنائے ہوئے سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی وغیرہ قوانین اور سود و فلمسازی کاروبار کو اپنی حکومت میں جاری رکھے ہوئے ہوں، ایسی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت تو کہا جاسکتا ہے لیکن "حکومتِ اسلامیہ" نہیں کہا جاسکتا۔) کی بیخ کنی ہورہی ہو، تباہی برپا کی جارہی ہو، یا غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہو، دینِ اسلام پر عمل کرنا، مسلمان کی حیثیت سے جینا، ناممکن ہوگیا ہو، حکومتِ وقت اس کے انسداد پر قادر نہ ہو۔

اگر مدافعت کی قوت حاصل نہ ہو، اور اصلاح کی کوئی تدبیر بھی ممکن نہیں رہی ہو تو "امن" کے کسی دوسرے مقام کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ تاکہ مذہبی احکام پر عمل کرکے پر امن زندگی گزار سکیں۔

جن آیتِ شریفہ میں جنگ کی تیاری کرنے کا حکم ہے، اُن میں بھی مدافعت ہی کا منشاء مضمر ہے۔ کسی پر حملہ کرنے یا اقدامِ جنگ کے لئے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے۔

بلکہ دینِ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ جس طرح دینِ اسلام اور حکومتِ اسلامیہ کی حفاظت اور دفعِ فتنہ و تحفظِ خوداختیاری کے لئے جنگ کرنی ہوگی۔ اسی طرح غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اگر خطرہ میں ہوں تو اُن کی مدافعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ آیہ شریفہ مذکور ہو چکی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ " اگر اللہ بعض لوگوں کی شرارت و فتنہ انگیزی کا دفعیہ دوسرے لوگوں کے ذریعہ نہ کرتا تو صومعے، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے ڈھا دیئے جاتے۔"

دینِ اسلام میں جنگ کے آداب بھی ایسے اعلیٰ و ارفع ہیں کہ اُن کی مثال نہیں مل سکتی۔ حد سے گزر کر درندگی، شقاوت، ظلم و بے رحمی اختیار کرنے اور جنگ کے ناقابل افراد، بوڑھے، بیمار، بچوں اور عورتوں کے قتل، لوٹ، غارت گری اور عورتوں کی عصمت ریزی سے باز رہنے کے واضح احکام بھی موجود ہیں۔

لیکن مسلمان بنانے کے لئے جبر و جنگ کا حکم دینِ اسلام میں قطعاً موجود نہیں ہے، بلکہ صاف و صریح ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:-

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قف ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى قف لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورة البقرہ) 256

ترجمہ :- دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ (کیونکہ) ہدایت ، یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ، جو شخص شیطان کی نافرمانی کرے اور اللہ پر ایمان لائے ، اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آئیہ شریفہ کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔

مفسرین نے اس کی شانِ نزول یہ بیان کی ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کا ایک طریقہ یہ تھا کہ کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ منت مانتی کہ میرا کوئی بچہ زندہ رہے گا تو میں اس کو یہودی بناؤں گی۔ اس طریقہ سے انصار کے بہت سے بچے یہودی بنادیئے گئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نفیر کو اُن کی حرکات کی وجہ سے سن 4 ہجری میں جلا وطن کیا تو اُن میں انصار کے وہ بچے بھی شامل تھے جو یہودی مذہب کے پیرو بنا دیئے گئے تھے۔ انصار نے کہا ہم اُن بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے اُن کو اُس زمانہ میں یہودی بنا دیا تھا۔ جب ہم اُن کے دین کو اپنے دین سے بہتر جانتے تھے۔ اب جب کہ تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی مذہب پر قائم رہنے نہیں دینگے۔ اسلام قبول کرنے پر اُن کو مجبور کرینگے۔ اس موقع پر یہ حکم لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ نازل ہوا کہ اُن کو مجبور نہ کرو۔ کیونکہ دینِ اسلام میں جبر نہیں ہے۔

" تفسیرِ ابنِ جریر " ، " تفسیرِ ابنِ کثیر " ، " ابو داوٗد " ، " نسائی " وغیرہ کتبِ تفاسیر و احادیث میں یہی شانِ نزول مذکور ہے۔

بعض نے یہ روایت بیان کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر، عرض کی ، میرے لڑکے نصاریٰ کا مذہب چھوڑنے راضی نہیں ہیں ، کیا میں اُن کو مجبور کرسکتا ہوں ؟ اس موقع پر یہ آئیہ شریفہ نازل ہوئی ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۔

اِن دونوں واقعوں کے مدعا میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابنِ جریرؒ نے اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے :-

لانکرھوا احدا علی الدخول فی دین الاسلام فانه بین واضح جلی دلائله و براھینه لایحتاج الٰی ان یکره احد علی الدخول فیه بل من ھداه الله الاسلام و شرح صدوره و نوربصیرته دخل فیه علٰی بینة و من اعمٰی الله قلبه و ختم علٰی سمعه و بصره فانه لا یفیده الدخول فی الدین مکرھا و مقسورا

ترجمہ :- دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ دینِ اسلام اس قدر بین و واضح ہے اور اُس کے دلائل و براہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اُس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو جس کا سینہ قبولِ حق کے لئے کھول دیا ہو، اور جس کو بصیرت کا نور عطا کیا ہو، وہ دلیلِ واضح کی بنا پر اِسے خود اختیار کرے گا۔ اور جس کی سماعت و بینائی پر مہر کر دی ہو ، اُس کا جبر و زبردستی کی حالت میں داخلِ اسلام ہونا بے کار ہے۔

تفسیرِ کشاف میں یہ تشریح کی گئی ہے :-

لم یجبر اللہ امرا لا معیاد علٰی الاجبا لاشب و لٰکن خلق التمکن والاختیار و نحوہٗ قولہ

" وَلَوْشَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ (سورۃ یونس)99

ترجمہ :- اللہ نے ایمان کے لئے جبر و زبردستی کا حکم جاری نہیں کیا ہے۔ تم کو اختیار پر (چھوڑ دیا ہے) اور جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ۔ " وَلَوْشَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ ۔۔۔ الخ " یعنے تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے ۔ پس کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ ایمان لے آئیں ۔

مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ کے الفاظ اور اُس کی شانِ نزول اور تفاسیر سے ظاہر ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لئے جبر و زبردستی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ صاحبِ کشاف نے جس آئیہ شریفہ کو تائید میں پیش کیا ہے ، اُس سے تفسیر القرآن بالقرآن کے اُصول پر " لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ " کی تفسیر عیاں ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ کئی آیاتِ شریفہ سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے مثلاً :-

فَمَنْ شَآءَفَلْیُؤْ مِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۚ (سورۃ الکہف) 29

ترجمہ :- پس (اب) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَاخٰضِعِیْنَ ۝

(سورۃ الشعراء) 3-4

ترجمہ :- شاید تو اس رنج میں اپنی جان دے دے گا کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک ایسی روشنی اتار دینگے کہ اس کے آگے اُن کی گردنیں جھک جائیں (مگر ہم ایسا نہیں کرتے)

اسی طرح آئیہ شریفہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ دینِ اسلام اختیار کرنے کے لئے کسی پر جبر و زبردستی جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے کہ قَدْتَّبَیَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَیِّ یعنے ہدایت، گمراہی سے ممتاز کرکے دکھائی جاچکی۔

منشائے الٰہی یہ ہے کہ یہ دنیا ، ابتلا و آزمائش کا گھر ہے۔ اس لئے جبر و اکراہ ، امتحان و آزمائش کے منافی ہے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے نفسِ ناطقہ عطا فرمایا ہے۔ مفید و مضر ، اچھے اور برے کو تمیز کرنے میں عقل سے مدد لینے کا اہل بنایا ہے۔
قرآن و رسولؐ کے ذریعہ سے صاف طور پر توحید و رسالت اور اچھی و بری باتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اور تاکید کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ توحید و رسالت پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے فوائد ، فضائل و انعام کیا ہیں ، یہ بھی واضح کردیا گیا کہ اچھائی یا برائی کا معیار ، ہر انسان ذاتی خیال و قیاس نہیں بلکہ احکامِ خدا و رسول ہیں۔!!!

اور صاف صاف بتلا دیا گیا ہے کہ کفر و بداعمالی کے نقصانات سے اور اُن کی سزائیں کیا ہیں۔!!!

اس کے بعد انسان کا امتحان باقی رہ جاتا ہے۔ اگر جبر و زبردستی کی جائے تو امتحان کا جو اہتمام کیا گیا ہے، سب بے کار ہو جائے گا۔
امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی "تفسیرِ کبیر" میں یہی تصریح فرمائی ہے:-

انه تعالٰی قال بعد هذه الآیة قدتبین السشد من الغی یعنی ظهرت الدلایل و صحت البینات ولم یبق بعدهاالا طریق القسروالابجاء والاکراہِ و ذالک غیر جائزلا نهینا فی التکلیف

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے اس آیت لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے بعد فرمایا ہے " قَدْتَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ' یعنے (ہدایت گمراہی سے ممتاز کرکے دکھائی جاچکی ہے) یعنے دلیلیں ظاہر کردی گئی ہیں اور براہین و حجتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں اور اب صرف جبر و اکراہ اور زور کا طریقہ رہ گیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تکلیف کے منافی ہے۔
احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں

کیا ہے۔ یہاں تک کہ قوت و غلبہ حاصل ہونے اور حکومت قائم ہوجانے کے بعد بھی کبھی آپؐ نے کسی کو قتل یا قید یا ایذا رسانی کی دھمکی دے کر مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا۔

فتح مکہ کے بعد کے واقعات سے یہ بات اور زیادہ روشن ہوجاتی ہے کیونکہ عام کفار و مشرکین کے قطع نظر آپؐ نے اُن کفار کی بھی جاں بخشی فرمائی ہے جو آپؐ کے خون کے پیاسے تھے اور بہت ساری اذیتوں کا موجب بنے ہوئے تھے۔ ایسے شقی القلب، شدید ترین

ظالموں کے بھی حق میں آپؐ نے فرمایا:- " لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء " آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔ " لیکن اُس ذاتِ رحمۃ للعالمین نے اُن میں سے کسی سے انتقام لیا اور نہ اسلام قبول کرنے کے لئے کسی کو مجبور کیا۔
ولوبالفرض، جبر و اکراہ کی تائید میں کوئی ایسی روایت پیش کی جائے تو اس معارضہ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس روایت کے الفاظ میں غور و تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ بلکہ، " اُصولِ حدیث " کے تحت، آیات و احادیثِ کثیرہ کے مقابلہ میں اُس کو ضعیف قرار دینا لازم ہوگا۔

عملِ صحابۂ رسول ﷺ کو دیکھا جائے تو تاریخِ اسلام میں اس کی بھی بے شمار شہادتیں مل سکتی ہیں۔

ابنِ ابی حاتمؒ نے روایت کی ہے:-

"عن اسبق قال کنت فی دینھم مملوکا نصرانیاالعمر ابن الخطاب فکان یعرض علی الاسلام فابی فیقول لا اکراہ فی الدین و یقول یا اسبق لواسلمت لاستعنابک علٰی بعض امورالمسلمین"

ترجمہ:- یعنے اسبق نے بیان کیاکہ میں حضرت عمربن خطاب کا نصرانی غلام تھا۔ آپؓ مجھے اسلام کی دعوت دیتے تو میں انکار کردیتا تھا۔ آپؓ فرماتے کہ " لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ " اور فرماتے کہ اے اسبق! اگر تو اسلام قبول کرلیتا تو ہم تجھ سے مسلمانوں کے بعض اُمور میں مدد لیتے!!!

یہ ایسا اہم واقعہ ہے کہ جس سے آئیہ شریفہ " لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ " کی تفسیر واضح ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار روایتیں صحابۂ رسول اللہ ﷺ کے ادوارِ خلافت میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرِ صدیق رضی اللہ عنہٗ کے زمانہ میں خالدبن ولید نے فتح " حِیر " کے بعد اہلِ حِیر کے لئے جو صلح نامہ مرتب کیا اور جس کو حضرت ابوبکرِ صدیقؓ نے نافذ فرمایا اس میں یہ تحریر بھی ہے:-

لایھدم لھم بیعۃ و کنیۃ ولا قصرمن قصورھم التی کانوا یحصنون فیھا اذا نزلیھم عدولھم ولا یمنعوا من ضرب النواقیلن ولامن اخراج الصلیبات فی یوم عیدھم (کتاب الخراج صـ 84)

ترجمہ :- اُن کی عبادت گاہیں گرجا و کلیسہ منہدم نہیں کئے جائینگے اور نہ اُن کے قلعوں کو توڑا جائے گا۔ جن میں وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے رہتے ہیں۔ نہ اُنہیں ناقوس بجانے سے روکا جائے گا اور نہ اُن کی عید کے روز صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔

حضرت عمر، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کے بھی دورِ خلافت کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ، مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔
حضرت عمربن عاصؓ نے اپنی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف کوچ کیا، شہر کی فصیل کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا تو رُومیوں نے تنگ آ کر کہلا بھیجا کہ ہم مصالحت کے لئے آمادہ ہیں بشرطیکہ خود خلیفۂ اسلام آ کر ہم سے معاہدۂ صلح کریں۔ اس بناء پر آپؓ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ جو معاہدہ مرتب ہوا، اُس کے ایک حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ :-
" یروشلم کے غیر مسلوں کو اُن کی عزت، جان و مال، اولاد، عبادت گاہوں، صلیبوں اور ہر اُس چیز کی حفاظت کی ضمانت دی جائے گی جو اُن کی ملکیت میں ہے۔ اُن کی زمینوں اور کلیساؤں کو برقرار رکھا جائے گا۔ اور عزت کو ہر طرح بحال رکھا جائے گا۔ اُن پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اور اُنہیں کامل مذہبی آزادی رہے گی۔"

اس کے بعد امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظمؓ شہر کے سب سے بڑے کلیسا، " کنیسۂ قامہ " کا معائنہ فرما رہے تھے، نمازِ عصر کا وقت آ گیا۔ پادریوں نے وہیں نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ لیکن آپؓ نے قبول نہیں کی۔ کلیسا سے باہر آ کر سڑھی پر تنہا نماز ادا فرمائی۔

وہاں کے بڑے پادری سے ارشاد فرمایا کہ اگر میں تمہارے کلیسا میں نماز پڑھ لیتا تو آئندہ اندیشہ تھا کہ مسلمان، اس پر قبضہ کرکے مسجد بنادیتے۔ اس ارشاد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس زینہ کے تعلق سے بھی ایک تحریر، بڑے پادری کے حوالے فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کو ہدایت درج تھی کہ یہاں اذاں دی جائے نہ نماز پڑھی جائے۔!!!

پادریوں کے مشورہ سے مقامِ " صخرہ " جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالٰی نے کلام کیا تھا، مسجد بنانے کے لئے منتخب فرمایا۔ وہاں مٹی، کچرا جمع ہوگیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے ہاتھ سے اپنے دامن میں بھر بھر کر اُٹھانا شروع کیا، سب

حاضرین نے بھی اس کام میں حصہ لیا ، تھوڑی ہی دیر میں جگہ صاف ہوگئی وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک بھی موجود اور "مسجدِ عمر" کے نام سے مشہور ہے۔

ایسے کئی معاہدات ،کتبِ تاریخ اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ یہ معاہدات کسی مجبوری سے نہیں بلکہ فتح کامل کے بعد کئے گئے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ لوٹ مار کے لئے یا ملک و دولت حاصل کرنے کے لئے یا غیر مذاہب کا نام و نشان مٹانے کے لئے یا مذہبِ اسلام کی جبریہ اشاعت کے لئے تلوار نہیں اٹھائی گئی تھی۔!!!

غرض آیات و احادیثِ شریفہ اور عملِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ تبلیغ واشاعتِ اسلام کے لئے جبر و اکراہ اور اقدمی جنگ جائز نہیں ہے۔ احادیث وروایات سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے تبلیغِ اسلام کے لئے کبھی اقدامِ جنگ کیا ہو ، یا کسی کو جبر و اکراہ سے مسلمان بنایا ہو۔!!!!

حضرت رسول اللہ ﷺ کے "غزوات" کے جتنے واقعات ہیں ، اُن کے اسباب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن سب کا بنیادی سبب ، مدافعت ہی رہا ہے ۔ کیونکہ مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کرجانے کے باوجود ، آپؐ کا آپؐ کی جماعت کا آپؐ کے دینِ اسلام کا خاتمہ کر دینے کی کئی طریقوں سے کوششیں مسلسل جاری رہیں۔ جہاں ، جس نوع کا فتنہ برپا کیا گیا ، اُس کی نوعیت کے لحاظ سے مدافعت کی گئی۔

جنگِ "بدر" ، جنگِ "اُحد" ، جنگِ "احزاب" تین بڑی جنگیں جو ہوئی ہیں وہ بھی مدافعانہ تھیں کیونکہ مکہ والوں نے مدینۂ منورہ کی طرف چڑھائی کی تھی ، اس کا بین اور فیصلہ کن ثبوت یہ ہے کہ مقامِ "بدر" کا فاصلہ مکۂ معظمہ سے ایک سو بیس (120) میل اور مدینۂ منورہ سے اَسی (80) میل ہے۔ اور مقامِ "اُحد" کا فاصلہ مکۂ معظمہ سے ایک سو اٹھائیس (128) میل اور مدینۂ منورہ سے تین میل ہے "جنگِ احزاب" میں تو کفارِ عرب کی کل قوموں نے مل کر چڑھائی کی تھی۔ اسی لئے اس لڑائی کو "جنگِ احزاب" کہا جاتا ہے۔

فتح مکہ کے واقعہ سے بھی اقدامِ جنگ کا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ یہ جنگ بھی عہد شکنی کے خلاف ، مدافعت کے لئے کی گئی تھی۔ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ حج کے لئے سفر کیا تو آپؐ کو "حدیبیہ" کے مقام پر

روک دیا گیا۔ بعض شرائط کے ساتھ ، اس شرط پر صلح ہوگئی کہ آئندہ سال آپؐ کو حج کا موقع دیا جائے گا۔ جب دوسرے سال آپؐ حج کے لئے تشریف لائے تو کفار و معاندین نے پھر آپؐ کو " حدیبیہ " کے مقام پر روک دیا۔ اس لئے معاہدہ و اقرار کو توڑنے کا مواخذہ ضروری ہوا۔

صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ الله یعنے اللہ کے راستہ میں رُکاوٹ پیدا کردینا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا بھی اسبابِ جنگ میں داخل ہے۔ اگر جنگ کی قوت نہ ہو تو ہجرت لازم ہوجاتی ہے۔

جس زمانہ میں قوت نہیں تھی ، آپؐ نے مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب قوت حاصل ہوئی تو آپؐ نے " اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ " کی بھی مدافعت فرمائی۔!!!

غرض فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کا رُخ ، جنگ کے لئے نہیں کیا تھا۔ یہ سفر حج کے لئے تھا۔ مکہ والوں نے جب عہد شکنی کی اور حقِ عبادت کی آزادی میں رُکاوٹ پیدا کردی اور آمادۂ جنگ ہوگئے تو اُس کا مواخذہ جنگ سے ناگزیر ہو گیا۔!!!

فتح مکہ کے بعد آپؐ کا بے مثال رحم وکرم ، عفو و حلم اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپؐ کا مقصد کفار و معاندین سے انتقام لینے کے لئے جنگ کرنا نہیں تھا۔ اور نہ یہ جنگ ، تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے مقصد سے کی گئی تھی۔ ورنہ کوئی کافر، کوئی مشرک ، کوئی معاند ، فتحِ مکہ کے بعد قبولِ اسلام کے بغیر دامنِ امن و رحمت میں پناہ حاصل نہ کرسکتا۔!!!

لَااِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ آیتِ شریفہ قرآنِ مجید کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ آیت ، اہلِ کتاب کے لئے مخصوص ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف انصار کے لئے مخصوص ہے کیونکہ آیت کی شانِ نزول انصار ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ بعض نے تو اس آیت کو منسوخ ہی قرار دے دیا ہے۔

اِسی طرح " لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِىَ دِيْنِ "(سورة الكٰفرون) 6 (ہمارا دین ہمارے لئے اور تمہارا دین تمہارے لئے) اور " لَنَآ اَعْمَا لُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۔الخ (سورة القصص) 55 (ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے) وغیرہ کئی آیاتِ شریفہ

کے بارے میں ایسے ہی خیالات پائے جاتے ہیں، یہ سب آیاتِ قتال سے منشائے الٰہی کو ٹھیک طور پر سمجھنے سے قاصر رہنے کے نتائج ہیں۔

تعجب ہے کہ ایسی صاف وصریح، بین و محکم آئیہ شریفہ کی تفسیر میں بھی بعض لوگوں نے غیر مطابق تاویلات اختیار کیں۔ بعض لوگوں نے اس آئیہ شریفہ کو اس کی شانِ نزول سے مخصوص جو قرار دیا، وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت کے الفاظ عمومیت پر دلالت کررہے ہیں۔

اس لئے اس کا حکم اُن تمام صورتوں پر منطبق ہوگا جن کی نوعیت، اس شانِ نزول سے مماثل ہو، ورنہ قرآنِ مجید کے ہر حکم کو اس کی خاص شانِ نزول سے مخصوص کردیا جائے تو دینِ اسلام کی "افادیتِ عامہ" باقی نہ رہ سکے گی۔

حالانکہ آیات، احادیث و روایات کی روشنی میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی جو تفسیر و تفہیم کی گئی ہے، اس سے صاف ظاہر ہوچکا کہ خدا ورسولؐ کے احکام اور عملِ رسولؐ و عملِ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی کسی کو مسلمان بنانے کے لئے جبر کیا گیا اور نہ تلوار اٹھائی گئی، بلکہ معاہدہ کرنے والے، جزیہ دینے والے اور فتنہ سے باز رہنے والے مشرکین و کفار کے ساتھ حسنِ سلوک کی بے شمار مثالیں، تاریخ اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر دینِ اِسلام کے سخت ترین دشمنوں اور مخالف فوجوں کے سرغنوں کو بھی نہ صرف عام معافی بخشی گئی بلکہ سایۂ امن و رحمت کے فیضان سے بھی مشرف کیا گیا۔

جن لوگوں نے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ قرار دیا یہ آیاتِ قتال سے تطبیق دینے میں اُن کے قاصر و عاجز رہنے کی دلیل ہے۔ اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو اس پر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل شاہد نہ ہوتا۔

غور کا بلکہ حیرت و عبرت کا مقام ہے کہ قرآن کی جن آیات کو منسوخ کہا جاتا ہے، اُن آیات کو قرآن میں باقی بھی رکھا جاتا ہے؟!!!!

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن کی ہر آیت اور اُس کے ہر لفظ و حرف پر کلام اللہ ہونے کا اعتقاد، ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کی ترتیب کو "لوحِ محفوظ" کی ترتیب کے بالکل مطابق تسلیم کیا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے خصوصیاتِ قرآن کے ذیل میں لکھا ہے:-

ھٰکذاھو عنداللہ فی اللوح المحفوظ علٰی ھٰذا الترتیب (الا تقان فی علوم القرآن الجزءالاول)

ترجمہ :- قرآن ، اللہ کے پاس بھی " لوحِ محفوظ " میں اسی ترتیب پر ہے ۔

نیز لکھا ہے :-

قال ابن الحصار ترتیب السور ووضع الآیات انما کان بالوحی (الا تقان فی علوم القرآن الجزء الاول)

ترجمہ :- ابنِ حصار نے کہا کہ سورتوں کی ترتیب اور آیات کا رکھا جانا ، صرف وحی کے ہی ذریعہ تھا۔

مولف " اشعۃ اللمعات " نے لکھا ہے :۔

ثابت شدہ است کہ ترتیبِ قرآن بوحی است وآں نیز مُنَزِلُ است و جبرئیل دروقتِ انزال می گفت کہ ایں سورہ را بعد از فلاں سورہ باید نہاد و ایں آیت را در فلاں موضع باید نہاد و اجماع نیز برآن انعقاد پذیرفت۔

(اشعتہ اللمعات جلد 1)

ترجمہ :- ثابت ہوگیا ہے کہ قرآن کی ترتیب " وحی " کے ذریعہ ہوئی ہے ۔ اور ترتیب بھی (منجانب اللہ) نازل کی گئی ہے ۔ جبرئیلؑ ، نزول کے وقت کہتے تھے کہ اس سورہ کو فلاں سورہ کے بعد اور اس آیت کو فلاں جگہ رکھنا چاہیئے ۔ اور اس پر اجماع منعقد ہوئی ہے ۔

اس سے ظاہر ہے کہ " لوحِ محفوظ " میں قرآن جس ترتیب میں تھا ، اِس دنیا میں نزول کے وقت بھی اُس کی ہر سورۃ اور ہر آیت کی ترتیب بھی " بذریعۂ وحی " ، اسی طرح ہوئی ہے ۔ اور اس پر اجماع کا اتفاق ہے ۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے قرآن کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام ہونے کے بعد قرآن کی کسی آیت کی شان میں وہ اُمور کیسے منسوب کئے جاسکتے ہیں ، جو صرف انسان ہی کے کلام کے لوازم میں داخل ہیں ؟!!!

قرآن سے پہلے ، توریت ، زبور ، انجیل وغیرہ کتب اور دیگر صحفِ الٰہیہ جو نازل ہوئے ، وہ بھی سب کلامِ الٰہی تھا۔ آدم علیہ السلام سے حضرت رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے ، اُن کے ذریعہ " دینِ اسلام " کی تعلیم اور احکام کا " تدریجی ارتقاء " ، حکمتِ الٰہی اور کلامِ الٰہی سے ہوتا رہا۔ اللہ تعالٰی کی آخری کتاب قرآن کے نزول سے " دینِ اسلام " کامل ہوگیا۔ اسی لئے حضرت محمدؐ کو

خاتم الانبیاء کہا جاتا ہے ﷺ ۔

لیکن پہلے کی اہلِ کتاب اُمتوں نے اپنے نبی کے بعد کے زمانوں میں اپنے منشاء و خیالات کے مطابق اُن کتبِ الٰہیہ کے الفاظ و معانی میں بہت کچھ رد و بدل کردیا۔ جس کی وجہ سے دینِ اسلام کی روح یعنے توحید اور بنیادی اعمالِ صالحہ کی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ قرآن اُن تمام تحریفات و اختراعات کا ناسخ ہے۔ پھر خود خدا کے آخری کلام یعنے قرآن کی آیتیں، جن کے ہر لفظ اور ہر حرف کی حفاظت خدا نے ہی کی ہو، کیسے منسوخ ہوسکتی ہیں۔؟!!!

حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، آیاتِ قرآنی میں تاویلاتِ بعیدہ، باردہ، و باطلہ کا زور بڑھتا گیا، لیکن قرآن کے الفاظ میں کوئی رد و بدل نہ ہوسکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا تھا۔

غلط تاویلات کی تصحیح اور لقاءِ رب و بصیرۃ کے لئے شریعت سے وابستہ، قریب ترین صحیح راستہ (صراطِ مستقیم) از سرِ نو بتلانے کے لئے مہدیءِ موعودؑ کی بعثت بھی مقدر تھی۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (پھر اس قرآن کا بیان ہم پر ہے) وعدۂ الٰہی کے مطابق حضرت مہدیءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی تو آپؑ کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اُن تمام معانی و تاویلات کو رد کر دینے کی ہدایت فرمائی، جن سے قرآنِ مجید کے ربط و ترتیب پر ایمان رکھنے میں خلل واقع ہوتا ہو۔!!!

اسی طرح حضرت مہدیءِ موعود مراد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ تعلیم سے قرآن کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کی بھی نفی فرمادی ہے۔

ہیچ آیتِ قرآن منسوخ نیست (نقلیاتِ میاں عبدالرشید)

ترجمہ :- قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

"انصاف نامہ" کے باب ہفتم میں یہ روایت حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے:-

نقل است از بندگی میاں سید خوندمیرؓ کرات و مرات فرمودند کہ حضرت میراں علیہ السلام در قرآن ہیچ آیت منسوخ نداشتہ اند

ترجمہ :- بندگی میاں سید خوندمیرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کئی بار فرمایاکہ حضرت مہدی علیہ السلام نے قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں رکھا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے حضرت مہدی علیہ السلام کے فرمان سے بارہا تاکید کے ساتھ اس مسئلہ کی تفہیم فرمائی ہے۔ کیونکہ نسخِ آیات کا مسئلہ عالمِ اسلام میں مشہور اور علمائے متقدمین و متاخرین میں مابہ البحث رہا ہے۔

افسوس کہ مولفِ "ہدیہ ءِ مہدویہ" نے آیاتِ قرآن کو منسوخ نہ ماننے کو محض جذبۂ عناد سے بدخلقی قرار دیا ہے۔ حالانکہ کلامِ الٰہی کو منسوخ قرار دینے کی بجائے، آیات میں تطبیق کی کوشش کو اُولٰی اَحسَنُ تسلیم کرنا، شانِ کلامِ الٰہی اور شانِ ایمان کا عین اقتضا ہے۔!!!

مولفِ "ہدیہ ءِ مہدویہ" نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ آیات کو منسوخ قرار دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ متقدمین (500) آیتوں کے منسوخ ہونے کے قایل ہیں۔ اور جلال الدین سیوطیؒ نے بمتابعتِ قاضی ابوبکر بن العربی منسوخاتِ سلف میں سے مُنَقَّحْ کرکے (20) آیات کو منسوخ ٹھیرایا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدیثِ دہلوی نے اس میں تنقیح و تفتیش کرکے کل پانچ (5) آیات منسوخ ٹھیرائی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ خود علمائے اسلام میں اختلاف واقع ہے۔ جس طرح (500) پانچ سو سے صرف (5) پانچ آیات کا منسوخ ہونا تسلیم کیاگیا ہے، اُسی طرح اُن پانچ آیات کے بھی غیر منسوخ ہونے کی تحقیق ناممکن و محال ہونے پر کوئی دلیلِ قاطع پیش نہیں کی جاسکتی۔!!!

علامۂ شریعت و طریقت عارف باللہ حضرت میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی رحمتہ اللہ علیہ نے رسالۂ "ناسخ و منسوخ" میں (42) سوالات میں پیش کردہ آیات کے جوابات میں تطبیق دے کر ثابت کیا ہے کہ اُن آیات کو منسوخ قرار دینا غلط ہے۔ سوالات کے جوابات ختم کرتے ہوئے آپؒ نے تحریر فرمایا ہے :-

اکنوں اے عزیزانِ دیندار و اے دوستانِ تقویٰ شعار! بعد از ثبوتِ نقلِ مہدی علیہ السلام در منسوخ اختلافاتِ علماءِ تفسیر دربیانِ آیات مذکورہ و قول بعضے مجتہداں و مفسراں بعدمِ جوازِ نسخ احکامِ آیات متلوہ مارا می رسد کہ بگوئیم کہ درقرآن ہیچ آیتے متلوہ نیست کہ درجمیع اوقات بہمہ وجوہٰ حکمِ آں آیت منسوخ باشد۔ تابدیں اعتقاد جاہل و مبتدع باشیم بتفکر سخن باید گفت نہ برتغلیب شرطِ خرد مندی آنست کہ در ہر باب رشتۂ انصاف از دست نہ گذارد لان الدین کلہ انصاف۔ (رسالہ دربحث ناسخ و منسوخ)

ترجمہ :- اب اے عزیزانِ دیندار ! دوستانِ تقویٰ شعار ! مہدی علیہ السلام کی نقل کے ثابت ہوجانے اور آیاتِ مذکورہ کے بیان میں علمائے تفسیر کے اختلافات اور نسخ احکامِ آیاتِ متلوہ کے عدم جواز کے بارے میں بعض مجتہدین و مفسرین کے اقوال واضح ہوجانے کے بعد ہم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی آیتِ متلوہ ایسی نہیں ہے کہ تمام اوقات میں اور تمام وجوہ سے اس کا حکم منسوخ ہوگیا ہو۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ ہم جاہل و بدعتی ٹھیریں۔ غلبہ کی بناء پر نہیں بلکہ غور و فکر کے بعد بات کہنی چاہیئے، عقلمندی کی شرط یہی ہے کہ ہر باب میں انصاف کے رشتہ کو چھوڑا نہ جائے ، کیونکہ دین سراپا انصاف ہے۔

اس عبارت میں " تغلیب " کے لفظ کا اشارہ اس جانب ہے کہ اُس زمانہ میں اکثر علماء کو حکومت میں رسوخ حاصل رہتا تھا۔ مسلم بادشاہتیں عموماً بعض علماء کے مشوروں کے تابع ہوتی تھیں۔ اس لئے اہل اللہ و اہلِ حق کو ان علماء کی رعونت اور اُن کے غلبۂ رسوخِ حکومت سے اذیتیں پہنچتی تھیں۔ جس کو چاہتے بلا تحقیق و تفحص جاہل ، بدعتی ، ملحد ، کافر ، اور واجب القید و القتل قرار دیتے اور حکومت کی قوت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے نفسانی جذبات کی تسکین جس طرح چاہتے حاصل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ خود حضرت علامہ میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی علیہ الرحمۃ پر جو جو مصائب و مظالم ڈھائے گئے کتبِ تواریخ میں اس کی درد انگیز تفصیلات موجود ہیں۔

حالانکہ آپؒ ایسے اہل اللہ و عارف باللہ تھے کہ آپؒ کو ماسوی اللہ سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ چنانچہ مذکورۃ الصدر عبارت کے بعد ہی آپؒ نے جو تحریر فرمایا ہے اس سے آپؒ کی مسکینی اور فقیرانہ شان کا ہر اہلِ نظر بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

دوستانِ پریشانِ حال و یارانِ شکستہ بال محقق و مقرر دانند کہ بواسطۂ ضرورت دریں بحث و سخن مرقوم شدہ است وگرنہ فقیر کجا و بحثِ علمہ کجا فقیر را کارے درپیش است و بارے برپشت کہ فکرآں کا ردہول آں بار درروزے صد بار بلکہ صد ہزار بار کمر بشکنند عقل و ہوش را بتاراج می دہد چنانچہ کارے افتادہ می گوید۔

ترجمہ :- دوستانِ پریشان حال و شکستہ بازو بہ تحقیق یقین کریں کہ اس (مسئلہ ناسخ و منسوخ) میں ضرورۃً بحث و گفتگو کی گئی ہے۔ ورنہ یہ فقیر کہاں اور علمی بحث کہاں؟ اس فقیر کے سامنے ایک بڑا کام ہے اور پیٹھ پر بھاری بوجھ ہے۔ اس کام کی فکر اور اس بوجھ کی دہشت ایک دن میں سو بار بلکہ ہزار بار اس فقیر کی کمر توڑتی ہے۔ اس فقیر کی عقل و ہوش کو تاراج کرتی ہے۔ چنانچہ وہ شخص جس پر ایسے کام کا

بوجھ پڑا تھا کہتا ہے :-

رباعی	ترجمہ رباعی
تایک سر موے در تو ہستی باقیت	جب تک ایک بال کے برابر بھی ہستی (خودی
ایمن منشیں کہ بت پرستی باقیت	تجھ میں باقی ہے بے فکر مت بیٹھ کیونکہ بت پرستی
گفتی بت و زنار شکستم رستم	باقی ہے تو نے کہا کہ بت اور زنار توڑ دیا اور نجات
آں بت کہ تو زنار شکستی باقیت	پائی وہ بت کہ جس کا زنار تونے توڑا ، باقی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِھدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآ لِّیْنَ ۝ آمین ثم آمین۔

غرض قرآنِ کریم کی آیات کو منسوخ ٹھیرانے کا راستہ جو اختیار کیا گیا ، اس کی بنیاد قرآنِ مجید کی یہ آئیہ شریفہ ہے۔

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍاَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍمِّنْھَآ اَوْمِثْلِھَاط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَانَصِیْرٍ ۝ (سورۃ البقرہ) 106-107

ترجمہ :- اور جو منسوخ کردیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں اُس کو تو نازل کردیتے ہیں اس سے بہتر یا اُس کے جیسی (اے محمدؐ)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں (اے محمدؐ) کہ اللہ ہی کے لئے آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے اور اُس کے سوائے کوئی تمہارا ولی و مددگار نہیں ہے۔

" نسخ " مصدر اور باب فَتَحَ یَفْتَحُ ہے ۔ اس کے معنی زایل کرنا، بدل دینا، بے کار کر دینا، ہیں ۔ مولانا شمسی مہدویؒ نے اپنی تفسیر بزبانِ عربی موسوم بہ " لوامع البیان " میں " نسخ " کی تحقیق یہ بیان کی ہے:-

" نسخ " کا لفظ عربی زبان میں " ابطال " اور " ازالہ " کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے " نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ "

(آفتاب نے سایہ زایل کردیا) "نَسَخَتِ الرِّیۡحُ آثَارَالۡقَدَمِ" (ہوا نے قدموں کے نشان باطل کردیئے ، میٹ دیئے) "نقل" اور "منتقل" کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ۔ "نَسَخَ الۡکِتَابُ" (کتاب میں جو کچھ ہے آخر تک نقل کیاگیا) "نَسَخَتُ النَّحَلُ" (شہد کی مکھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوئی) تقسیمِ موارث میں "مناسخہ" کی اصطلاح کے معنی بھی یہی ہیں۔ کیونکہ مورث کا مال وارث کو منتقل کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد بعض مفسرین کی آراء بیان کی گئی ہیں جن میں قرآن کی آیات کو ابطال و ازالہ کے معنوں میں منسوخ قرار دینے پر استدلال کیاگیا ہے ۔ اس کے بر خلاف علامہ شمسیؒ نے آیات کا غیر منسوخ ہونا ثابت کیا ہے۔ اس بحث کا ترجمہ ملخصاً درج کیا جاتا ہے:-

"میں کہتا ہوں کہ احکام و شرایع سب قدیم ، ازلی ہیں ۔ ان میں تجدد و حدوث کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت اللہ کا کلام ہے۔۔ جب اللہ کے کلام کا قدیم ہونا ثابت ہے تو اس کا حادث ہونا ممتنع ہے۔ پس اس کے باطل و مرتفع ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اُن احکامِ قدیمہ کا تعلق ، مکلفین سے بھی ہوتا ہے (جیسے کہ قرآن کتاب کی صورت میں ہے اور آدمی کی زبان سے متلفظ ہوتا ہے) اگرچہ کہ یہ تعلق حادث ہوتا ہے۔ لیکن اس تعلق کو ذواتِ احکام و حقائق میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان احکام کے معانی قدیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں۔ مکلفین کے تعلق کے حدوث سے اُن معانیِ قدیمہ کا حدوث لازم نہیں آتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات ، مبدءِ حوادث ہونا لازم آئے گا اور قطعاً باطل ہے۔" پس شیخ ابن اکاجب اور علامہ عفدی نے جو راستہ اختیار کیا ہے باطل ہے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ کسی چیز کا باطل یا زایل ہونا ، اس کے فساد اور عدم حکمت پر دلالت کرتا ہے۔ نعوذ باللہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا کلام فاسد یا حکمت سے خالی ہے۔"

جب اللہ سبحانہٗ نے فرمایاکہ بے شک اللہ کا کلام حق ہے جیساکہ اپنی کتاب قرآنِ مجید میں فرمایا ہے ۔

وَلَایَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّاجِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ ۔۔ الخ ۝ (سورۃ الفرقان)33

ترجمہ :- وہ لوگ تمہارے پاس ویسا کلام نہیں لا سکیں گے جیساکہ ہم نے کلامِ حق تمہارے پاس لایا ہے ۔

پس کلام اللہ کا باطل ہونا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کی شان میں فرمایا : وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (سورۃ النجم)3-4

یعنے اور رسول ﷺ وہی بیان کرتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن " ہویٰ و فساد سے خالی ہے۔

بلاشبہ جب کہ منسوخ، باطل و فاسد ہوتا ہے اور کلام اللہ کو منسوخ کہا جائے تو کلام اللہ کو باطل و فاسد قرار دینا لازم آئے گا، اور یہ قطعاً باطل ہے۔ لہذا ایسی تفسیر جس میں " نسخ " کے معنی ابطال و ازالہ کے ہوں ، قطعاً باطل ہے۔

نیز یہ کہ حکمِ سابق کا ابطال مراد لی جائے تو اس کی دو صورتیں ہونگی۔ اللہ تعالیٰ پر اس کلام کی حکمت پہلے سے ظاہر ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں کیونکہ پہلی صورت میں " ابتداء " لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں کلام بے حکمت و عبث ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں محال ہیں ۔ پس ابطالِ حکم محال ہے۔

شیخ ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی مصلحت ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

یَفْعَلُ مَایَّشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ یعنے وہ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے حکم دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ ، حکیم و علیم ہے ۔ اس کا کوئی ، فعل ایسا نہیں ہوتا جس میں حکمت نہ ہو ، اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا ، جس میں مصلحت نہ ہو ، اگرچہ کہ ہم اس کی حکمت کے دقایق اور اس کی مصلحت کے حقایق کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اُس کے ارادہ و افعال کی نسبت ، حکمت و مصلحت سے خالی ہونے کا اعتقاد رکھیں۔

پس صحیح یہی ہے کہ پہلا حکم جس کو مفسرین نے منسوخ قرار دیا ہے اُس کی بجائے اس حکم کو دوسرے سبب سے مقید اور کسی وقت سے موقت قرار دیا جائے۔ جب وہ وقت گزر جائے گا اُس وقت دوسرا حکم اس سے بہتر یا اُس کے مثل، مکلفین سے متعلق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:- نَاتِ بِخَیْرٍمِّنْھَآاَوْمِثْلِھَا ط (سورۃ البقرہ) 106

ترجمہ :- (ہم اس سے بہتر یا اس کے مثل نازل کرتے ہیں)

سے یہی مراد ہے۔ جیساکہ مریض کو ایک دوا پلائی جاتی ہے ، جو ایک وقت فائدہ بخش ہوتی ہے ۔ اُس وقت کے بعد مریض کو پہلے سے زیادہ نفع بخش دوسری دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ وقت گزرنے اور حالات کے بدلنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس قرینی استدلال یہی ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکمت کسی سبب سے ایک حکم کی مقتضی ہوتی ہے ، اس کے بعد دوسرے حکم کی مقتضی ہوتی ہے۔ اس پر ابطال کا اطلاق درست نہیں ہوسکتا۔

البتہ " نسخ " بمعنی نقل و تبدیلی ، قرآن میں موجود ہے۔ لیکن ازالہ و ابطال کے معنوں میں قرآن کی کسی آیت پر " نسخ " کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مفسرین نے جن آیات کو منسوخ قرار دیا اُن آیات کے حکم کا منتھٰی ایک مقررہ وقت ہوتا ہے۔ جب وہ وقت گزر جائے تو دوسرا حکم اُس سے بہتر یا اُس کے مانند نازل ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ مہدی علیہ السلام فرمایاکرتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس سے آپؑ نے اللہ تعالٰی کی مراد ظاہر فرمائی کہ ابطال و ازالہ کے معنوں میں کسی آیت کو منسوخ کہنا ، غلط ہے۔ کیونکہ کلام اللہ حقِ بحث اور نورِ محض ہے۔

(لوامع البیان الجزالاول صفحہ 203)

اس بحث سے ظاہر ہے کہ " نسخ " کے معنی نقل لیں تو اِن معنوں کے لحاظ سے پورا قرآن ، منسوخ ہے ، کیونکہ " لوحِ محفوظ " سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن اِس آیت میں نسخ کے لفظ سے یہ منشاء نہیں ہے۔ تبدیل کے معنی سے بھی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ نَاتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَاط اس پر شاہد ہے۔ لیکن خدا کے کلام کو باطل و زایل قرار دینا ، کسی جہت سے درست نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے کہ اس سے قرآن مربوط ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔ مذہبِ مہدویہ کا مدعاء یہ ہے کہ قرآن کی آیات کو منسوخ قرار دیا جائے تو قرآن کے مربوط اور لوحِ محفوظ کی ترتیب پر مرتب ہونے کا اعتراف و اعتقاد بے معنی ہوجاتا ہے۔ !!!

بنیادی بات یہ ہے کہ آیات کے مورد خاص اور حکم عام ہوتا ہے۔ جب کبھی آیت کے " مَوْرِدْ " سے وقت اور حالات کی مطابقت ہوجائے گی اس آیت پر عمل کیا جاسکے گا۔ اور شانِ کلام اللہ و شانِ ایمان با للہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ آیات میں تطبیق

دینے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ بصورتِ مجبوری ، منسوخ قرار دینے کی بجائے اپنے علم و فہم ، ادراک و تعقل کو قاصر قرار دینا ، ہم امن و سلامتی کی راہ سمجھتے ہیں۔ اور اس سے عمل میں کوئی حرج بھی واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ بلحاظِ وقت و حالات متبادل آیات میں سے جس آیت پر ممکن ہو عمل کیا جاسکتا ہے۔

آیات کے منسوخ ہونے اور بھلادیئے جانے کے بارے میں بعض روایات بھی ملتی ہیں۔ مثلاً علامہ بغویؒ نے "المعالم" میں یہ روایت بیان کی ہے:

" حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیفؓ راوی ہیں کہ رات کو کچھ صحابیؓ ایک سورت پڑھنے کے لئے نماز میں کھڑے ہوئے ، لیکن بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوائے سورۃ کا کوئی حصہ یاد نہ ہوا۔ لوگوں نے حضرت رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا وہ سورۃ، مع تلاوت و احکام اٹھالی گئی ہے۔

علامہ بغویؒ کی درج کردہ بعض اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ " سورۂ احزاب " ، " سورۂ بقرہ " کی طرح (طویل) تھی لیکن اس کا اکثر حصہ مع تلاوت و احکام اٹھا لیا گیا۔

علامہ مولانا میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ "ناسخ و منسوخ" میں بعض روایات بیان کی ہیں:

وقال ابن زید فی تفسیر قولہ تعالٰی : مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍمِّنْھَآ اَوْمِثْلِھَا ط فلا یبقٰی لھا ما یتلٰی ولا حکم یلزم کما روی ان طائفۃ من الصحابۃ تعلموا سورۃ اوآیۃ فارادوا ان یقروھا فلم یقدروا علیہ و ربما وجدوا الورقۃ البیضاء فاخبرو ابدالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انھا نسخت او رفعت بالبارحۃ و فی شرح المنار روی انہ علیہ السلام فرونی صلوٰتہٖ سورۃ المؤمنین فضی آیۃ فلما اخبربہ قال الم یکن فیکم اُبَیٌّ فقال ابی بلٰی فقال ھٰذا ذکرتھا فقال طتت انھا نسخت فقال لو نسخت لا خیرتکم (رسالہءِ بحثِ ناسخ و منسوخ)

ترجمہ :-ابنِ زید نے اللہ کے قول مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍمِّنْھَآ اَوْمِثْلِھَا ط (منسوخ جو کردیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلادیتے ہیں تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مثل) کی تفسیر میں یہ کہا کہ نہیں باقی رہتی ہے اس کے لئے وہ چیز جو تلاوت کی جائے اور نہ (باقی رہتا ہے وہ) حکم جو لازم آئے۔ چنانچہ روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے ایک سورہ یا ایک آیت

سیکھی پھر اس کو پڑھنے کا ارادہ کیا تو پڑھنے پر قادر نہ ہو سکے اور کبھی انہوں نے ورق کو سفید پایا۔ اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ منسوخ ہوگئی یا یہ فرمایا کہ گزشتہ رات میں اٹھالی گئی اور " شرح المنار" میں روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی نماز میں سورۂ مومنین پڑھی۔ اور اس میں سے ایک آیت بھول گئے۔ جب آپؐ کو معلوم کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم میں "اُبیؓ" نہیں تھے۔ ابیؓ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ میں تو حاضر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آیت تو تم نے یاد کی ہے۔ ابیؓ نے عرض کیا میں نے گمان کیا کہ وہ آیت منسوخ ہوچکی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اگر وہ منسوخ ہوجاتی تو میں تم کو معلوم کردیتا۔" (رسالۂ بحثِ ناسخ ومنسوخ)

ان روایات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو احکام اٹھالئے گئے یا جو آیات بھلادی گئیں، اُن سے بہتر یا اُن کے مثل نازل کی گئی ہیں۔ اس واقعہ کی خبر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍمِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَاط (سورۃ البقرہ) 106

ترجمہ:۔ ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلادیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس کے مانند دوسری نازل کرتے ہیں۔

اس کا تعلق ان آیات سے نہیں ہے جو " لوحِ محفوظ" کے قرآن میں موجود ہیں۔ اس دنیا میں جو قرآن نازل کیا گیا، چونکہ " لوحِ محفوظ" کے قرآن کے بالکل مطابق ہے۔ اس لئے اس قرآن میں جو آیات موجود ہیں وہ سب غیر منسوخ و غیر منسیٰ ہیں۔!!!

قادرِ مطلق کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ " لوحِ محفوظ" میں جو قرآن موجود تھا، اُس کی نقل، مطابق اصل جبرئیلؑ کے ذریعہ اِس دنیا میں نازل و محفوظ ہوجائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ لوحِ محفوظ کے سوائے خود اپنے دوسرے کلام کو بھی قرآنِ منزل میں شامل نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیثِ قدسیہ بھی شاملِ قرآن نہیں ہوئی ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی شان میں ارشاد ہوا ہے۔ وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیۚ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۚ (سورۃ النجم) 3-4

ترجمہ:۔ رسولؐ جو بولتے ہیں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ وہی بولتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔

" مَا یَنْطِقُ " کے الفاظ عمومیتِ تامہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس لئے کلام اللہ ہو یا احادیثِ رسول اللہ ﷺ ، آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات " وحی " ہے ۔ یہ وحی، فرشتہ کے ذریعہ ہوئی یا بلاواسطہ !!

آپؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی جس بات کا " کلامِ الٰہی " ہونا ظاہر فرمایا، وہ قرآن کی حیثیت سے جمع و محفوظ ہوچکا۔جس پر ایمان و اعتقاد ہر مومن کے لئے قیامت تک فرض ہے۔اور احادیثِ قدسیہ و احادیثِ رسول اللہ ،جو کلام کہ ماسوائے قرآن تھا۔ اس کا کوئی فقرہ یا کوئی لفظ قرآنِ مجید میں شامل نہیں ہوا۔

لہٰذا بھلادیئے جانے یا منسوخ کئے جانے کا تعلق اُن آیات سے نہیں ہے جو قرآنِ مجید میں موجود و محفوظ ہیں۔

اس لحاظ سے بھی قرآن میں جو آیات موجود ہیں اُن کو منسوخ قرار دینا ، منشائے کلام اللہ کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مذکورۃ الصدر احادیثِ شریفہ سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ جو آیات اُٹھالی جاتیں یا بھلادی جاتیں ، اُن کا زبانِ صحابۂ رسول اللہ ﷺ پر جاری ہونا ، ممکن نہ ہوتا تھا۔ بلکہ آپؐ کے صحابہؓ کی یاد میں بھی باقی نہیں رہ سکتی تھیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ " اگر آیت منسوخ ہوجاتی تو تم کو معلوم کردیتا"۔ !!

اس ارشاد کی روشنی میں یہ معلوم ہورہا ہے کہ جو آیت منسوخ ہو جاتی اُس کو قرآنِ مجید میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ اور نہ اُس کی تلاوت نماز میں کی جاتی تھی۔ لہٰذا قرآنِ مجید میں منسوخ آیات یا ایسی آیات جو بھلادی گئی ہوں ، موجود نہیں ہیں۔ اس لئے کسی آیت کو جو قرآنِ مجید میں موجود ہے ، بمعنیِ ابطال و ازالہ ، منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ البتہ اللہ تعالٰی نے اپنی حکمت و مصلحت کے لحاظ سے ثواب یا سہولت وغیرہ کے لئے آیات و احکام ، بہتر سے بہتر نازل فرمائے ہیں جو کسی سبب سے "مقید" اور کسی وقت سے " مُوَقَّتْ" بھی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیاتِ قرآنِ مجید میں تطبیق سے قاصر رہنے کی صورت میں بعض لوگ آیہ شریفہ مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیۃٍ ---الخ کا سہارا لے کر اُن آیات ہی کو منسوخ قرار دینے کی جانب مایل ہوگئے۔ لیکن جن آیات کو منسوخ قرار دیا گیا، اس کے ثبوت میں کوئی دلیلِ نصِ صریح نہیں پائی جاتی۔ یعنے اللہ تعالٰی کے کسی فرمان سے یہ تصریح ثابت نہیں ہوتی کہ قرآنِ مجید کی موجودہ آیات میں فلاں آیت

منسوخ کردی گئی یا بھلادی گئی۔ اور اس کی بجائے فلاں آیت اس کے مثل یا اُس سے بہتر نازل کی گئی ہے۔ایسی کوئی تخصیص و تعیین ، خود کلامِ الٰہی میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے کسی آیتِ قرآنِ مجید کو منسوخ قرار دینا ، محض " ظنی " ہے۔!!!

علامہ شمسی مہدویؔ پروفیسر جامعہ عثمانیہ کے ہم سررشتہ و صدیق ، مشہور و معروف عالم و مشائخ، مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر شعبۂ دینیاتِ جامعہ عثمانیہ نے بھی قرآنِ مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کی نفی کردی ہے:

" فقیر، قرآن میں کوئی آیت کوئی حکم منسوخ ہونے کا قایل ہے۔ (تفسیر صدیقی جلد(1) صفحہ 147)"

اس بحث سے اظہر من الشمس ہے کہ مذہبِ مہدویہ کے بارے میں مولفِ "ہدیہ مہدویہ" نے ناحق ، اِثم ، ظلم و عدوان کا مظاہرہ کیا ہے۔!!!

حاصلِ کلام یہ کہ آیتِ قتال یا آیتِ جزیہ " لَااِکْرَاهَ فِی الدِّیۡنِ " کی مذہبی آزادی کے متعارض نہیں ہے۔اس لئے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے ان مفسرین کو یہ اندیشہ ہوگیا ہوکہ اس آیت کو منسوخ نہ قرار دیا جائے تو مشرکین وکفار کو قتل کرنا، جائز نہ رہ سکے گا۔ اس لئے عفو و رحم مذہبی آزادی اور حسنِ سلوک و رواداری کی آیات کو آیاتِ قتال سے منسوخ قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سے قبل واضح کیا جاچکا کہ آئیہ شریفہ وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیۡهَا۔۔۔الخ (جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اس کی جزاء جہنم ہوگی جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا) کو بھی منسوخ قرار دینا مبنی بر صحت نہیں ہے۔ آیاتِ قتال میں بھی ایسی ہی صورت درپیش ہوئی ہے۔

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ۝ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ اَخۡرَجُوۡکُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوۡکُمۡ فِیۡهِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (سورة البقره) 190-192

ترجمہ :۔ اور قتل کرو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کو جو تمہیں قتل کرتے ہیں ۔ اور حد سے نہ گزر جاؤ بے شک اللہ بے حدوں کو پسند نہیں کرتا ہے ۔ اور اُن کو تم جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور تم اُن کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے ۔ اور فتنہ (تو) قتل سے زیادہ سخت ہے ۔ تم اُن سے مسجدِ حرام میں مقابلہ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں اُس میں قتل کرنے لگیں ۔ پس اگر وہ تمہیں قتل کریں تو تم (بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزاء تو ایسی ہی ہے ۔ اگر وہ (فتنہ) سے باز آجائیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے ۔ اور اُن کو قتل کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے ۔ اور اللہ کا دین قائم ہوجائے ۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں ہے ۔ سوائے ظالموں کے ۔

ان صاف و صریح آیات میں بھی ناسخ و منسوخ کی اُلجھن پیدا کی گئی ہے ۔ " تفسیرِ لوامع البیان " میں مفسرین کی آراء جو بیان کی گئی ہے ، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت " وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ " منسوخ ہے اُس کی ناسخ " وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" ہے پھر یہ آیت منسوخ ہے ۔ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ سے اور وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ منسوخ ہے وَلَا تُقٰتِلُوْا ھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ سے ۔ (لوامع البیان)

ان آیات کو مسلسل پڑھ کر اُن کے معانی و منشاء پر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیات ایک ہی جگہ واقع ہیں ۔ اور ایک آیت دوسری آیت سے مربوط ہے ۔ لیکن بعض مفسرین نے خیال کیا کہ ایک آیت دوسری کی متعارض ہے ۔ کیونکہ پہلی آیت میں قتال کا حکم مشروط ہے ۔ یعنے جو تم سے قتال کریں ، اُن سے قتال کرو۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ مسجدِ حرام میں قتال مت کرو۔ اور ایک آیت میں ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔ اس لئے ناسخ و منسوخ کی جانب مائل ہوگئے ۔ حالانکہ جب کلام اللہ میں تعارض محال ہے تو ناسخ و منسوخ کا مقدمہ قائم کرنا عبث ہے ۔ !!!

اس کے علاوہ اُن آیاتِ مذکورۃ الصدر ہی سے تعارض کا شبہ رفع بھی ہوسکتا ہے ۔ پہلی آیت میں جو حکم ہے کہ " جو تم سے قتال کریں تم اُن سے فی سبیل اللہ قتال کرو۔ " اس حکم کا منشاء ہر آیتِ قتال میں موجود ہے ۔ " " مشرکین وکفار کو جہاں پاؤ قتل کرو" سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر کسی وجہ و سببِ قتال کے ، جو مشرک یا کافر جہاں نظر آئے اُس کو قتل کردو۔ اس لئے کہ اسلام ، ظلم و عدوان ، جبر و قہر کا فتنہ برپا کرنے والوں کو عدل و انصاف کی راہ بتلانے والا ہے ۔ خود اس میں کیسے ملوث ہوسکتا ہے ؟!!!

غرض اُن آیات کا مفہوم صاف ہے کہ جو تم سے قتال کریں تم اُن سے قتال کرو۔ اور جہاں کہیں قتال کرتے ہوئے پاؤ اُن سے قتال کرو۔ " وَلَا تُقٰتِلُوْاهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " کا مطلب یہ ہے کہ تم مسجد حرام میں جنگ کی ابتدا نہ کرو۔ اس کا بدیہی ثبوت خود اس آیت کے بعد ہی موجود ہے۔ پوری آیت ملاکر پڑھی جائے تو بات آسانی سے صاف ہو جاتی ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْاهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَا قْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ :- مسجد حرام میں اس وقت تک قتال مت کرو جب تک اُس میں تم سے قتال نہ کریں۔ اگر تم سے (مسجد حرام میں بھی) قتال کریں تو تم اُن کو قتل کرو۔ کافرین کی ایسی ہی جزا ہے۔

اس سے مسجدِ حرام میں قتال نہ کرنے کا حکم بھی باقی ہے اگر کوئی وہاں بھی قتال برپا کرے تو بصورتِ مجبوری وہاں بھی اُس کی مدافعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن آیات میں تعارض کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

اسی لئے علامہ شمسی نے اُن آیات کو ایک دوسرے کی ناسخ ومنسوخ قرار دینے کے بارے میں معقول و مدلل ایراد کیا ہے۔:-

لایلیق بشان الحکیم ان یجمع بین آیات متوالیة تکون کل واحدة منها ناسخة للخریٰ لا ن ذالک یوجب التردد فی علم اللہ تعالٰی و تشبیه علمه بعلم الخلوق و هومنزه عنها ولاصوب لهم ان یختاروا القول بتوقیت الحکم و امضا ئه فی وقت معین فان ذالک لا یوجب النسخ (لوامع البیان الجزالثانی صفحه294)

ترجمہ :- یہ بات شانِ حکیم کے لایق نہیں ہے کہ ایک ہی سلسلۂ بیان کی آیات میں ہر آیت ، دوسری آیت کی ناسخ ہو ، کیونکہ اس سے اللہ تعالٰی کے علم میں تردد ہونا ، اس کے علم کو مخلوق کے علم سے تشبیہ دینا لازم آتا ہے دراں حالیکہ وہ اس سے "مُنَزَّہ " ہے۔ حکم کی توقیت اور وقتِ معین میں اس کی تعمیل کا قول اختیار کرنے کے سوائے اُن کے لئے کوئی راہِ صواب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نسخ لازم نہیں آتا۔ (لوامع البیان الجزالثانی صفحہ 294)

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے :-

ان هٰذا الآیة دالة علی الامر بقتال من یقاتلنا لا کن هٰذاالحکم ما صارمنسوخاً (تفسیر کبیر)

ترجمہ - بے شک یہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (سورۃ البقرہ) 190 اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو ہم سے قتال کریں ہم اُن سے قتال کریں لیکن یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔

لیکن ربیع ابن انس نے اس کے برخلاف تفسیر کی ہے:-

وقال الربیع بن انس ھٰذہ اول آیۃ نزلت فی القتال ثم امر بہٖ یقتال المشرکین کافۃ قاتلوا اولم یقاتلوا بقولہٖ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً فیکون قولہ تعالٰی وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ بقاتلونکم منسوخا بھٰذہ الآیۃ (لوامع البیان الجز الثانی صفحہ293

ترجمہ :- ربیع بن انس نے کہا یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر حکم دیا اس کو تمام دنیا کے مشرکین کے قتال کا ۔ خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں۔ اور اللہ تعالٰی کے فرمان وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً (سورۃ التوبہ)35 (تمام دنیا کے مشرکین کو قتل کرو) سے اللہ تعالٰی کا فرمان وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (سورۃ البقرہ)190 منسوخ ہوجائے گا۔

ربیع بن انس نے وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (سورۃ البقرہ) 190 کو منسوخ اور وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً (سورۃ التوبہ) 35 کو اس کی ناسخ جو قرار دیا ہے ، بالکل غیر صحیح ہے۔ اس لئے کہ پوری آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس آیت کو منسوخ قرار دیا گیا ہے ، اُس آیت کا منشاء اس آیت میں بھی موجود ہے جس کو ناسخ قرار دیا جا رہا ہے۔

وَقَاتِلُواالْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً ط وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (سورۃ التوبہ) 36

ترجمہ :- اور لڑو مشرکین سے ہر حال میں اور ہر جگہ جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں ہر حال میں اور ہر جگہ جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی یہ حکم فرما رہا ہے کہ مشرکین اگر جنگ کو اتنی وسعت دیں کہ ساری دنیا میں بھی جنگ کرنی پڑے تو اُن کے مقابلہ میں برابر ہر جگہ جنگ کی جائے ۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب کیسے لیا جاسکتا ہے کہ مخالفینِ اسلام جنگ کریں یا نہ کریں پوری دنیا میں اُن کے قتلِ عام کا بازار گرم کردیا جائے ؟!!! اگر ایسا ہوتا تو فتح مکہ کے بعد کوئی کافر زندہ باقی نہ رہ سکتا تھا۔

اُن آیاتِ مذکورہ ہی کو ملا کر پڑھنے سے بھی اس بات کا بدیہی ثبوت ہوسکتا ہے۔

1- وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ)190

ترجمہ :- اور حد سے نہ گزر جاؤ ۔ بے شک اللہ بے حدوں کو پسند نہیں کرتا۔

2- وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔۔ الخ (سورۃ البقرہ) 192

ترجمہ :-اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

3- فَاِنِ انْتَهَوْفَلَا عُدْوَانَ اِلَّاعَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ) 192

ترجمہ :- پس اگر وہ فتنہ سے باز آجائیں تو نہیں ہے زیادتی (کسی پر) سوائے ظالموں کے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ " وَقٰتِلُواالْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً " کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشرکین قتال کریں یا نہ کریں ساری دنیا کے مشرکین کو قتل کردو۔ اس کے ثبوت میں اور کئی آیات اور عملِ رسول ﷺ و عملِ صحابہ ءِ رسول رضی اللہ عنھم کی کئی نظایر پیش کی جاسکتی ہیں ۔

غرض منشائے الٰہی اور روحِ مذہبِ اسلام کے خلاف قتال و جہاد بالسیف کی آیات میں ایسی بھی تاویلاتِ بعیدہ و باطلہ کی وجہ سے غیر مسلم اہلِ علم و تنقید کو مذہبِ اسلام پر الزام عاید کرنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔

حالانکہ حکمِ جہاد بالقتال کی پہلی آیت وَقَاتِلُوْافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (اور جو لوگ تم سے مقابلہ کریں تم بھی فی سبیل اللہ اُن سے مقابلہ کرو) کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ خود جنگ میں پہل نہ کریں ۔ بلکہ جنگ چھیڑنے والوں کے جواب میں جنگ کریں ۔قرآنِ مجید میں جہاں ، جہاں قتال بالسیف یعنے تلوار سے جنگ کرنے کی آیات ہیں ، اُن سب میں مفہوم موجود ہے ۔

حتیٰ کہ جو آیات بظاہر بلا استثناء عمومیت کی حامل نظر آتی ہیں ، اُن میں بھی حکمِ جہاد بالقتال کی پہلی آیت کی شرط ضرور موجود ہے ۔ مثلاً :-

1- وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۔۔ الخ (سورۃ البقرہ) 191 (اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو۔)

2- فَاقْتُلُواالْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ --الخ (سورۃ التوبہ)5 (مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔)

3- وَقَاتِلُواالْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ۔ الخ ط (سورۃ التوبہ) 36 (اور روئے زمین کے مشرکین کو قتل کرو۔

4- فَضَرْاَبَ الرِّقَابِ ط (سورۃ محمد)5 (پس گردنیں مار دو۔)

ایسی تمام آیاتِ شریفہ کے سیاق و ربطِ کلام میں ایسے الفاظ بھی ساتھ ساتھ ضرور شامل ہیں کہ جن سے ہدایتِ الٰہیہ کا وہ نکتہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے جو جہاد بالقتال کی پہلی آیت میں موجود ہے کہ جنگ میں پہل نہ کی جائے ، بلکہ دشمنانِ دین جنگ عاید کر دیں تو جواب میں جنگ ہو ، اگر چہ کہ پوری دنیا میں جنگ برپا کردی جائے ۔ لیکن جنگ میں پہل نہ ہو ۔!!!

کوئی آیت کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ حکم پایا جائے کہ مشرکین جنگ کریں یا نہ کریں اُن سے جنگ کرو ۔ یا تبلیغ و اشاعتِ اسلام ، تلوار کی مدد سے کرو۔ اس کے برعکس اسلام میں جنگ کے آداب میں یہ بات بھی اہم ہے کہ مومنین و کفار کی فوجیں میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لئے صف آرا ہوجائیں تو اُس وقت بھی حکمِ جہاد کی پہلی آیت وَقَاتِلُوْافِیْ سَبِیْلِ اللهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کی خصوصیت پر اس حد تک عمل کیا جاتا ہے کہ جب تک مخالف افواج کی طرف سے پہل نہ ہو جائے مومنین کی افواج ، جنگ کی ابتدا نہیں کرینگی ۔ اِتمامِ حجت کی آخری جدوجہد کے لئے اس نازک ترین منزل میں بھی سردارِ افواجِ مومنین ، دعوتِ صلاح واصلاح کا اپنا دینی فرض ادا کرے گا ۔ تاکہ اس نوبت پر بھی جنگ نہ ہونے پائے اور بغیر جنگ کے فتنہ رفع ہوجائے ۔

حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں ۔ اور بعد کے زمانہ میں میدانِ کربلا میں سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہٗ سے جو جنگ ہوئی اُن سب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کی صف آرا افواج پر اور اُن کے سرداروں پر تقریر کے ذریعہ پہلے تنبیہ و نصیحت کی گئی ۔ اپنے بے قصور و برحق ہونے کے دلایل پیش کئے گئے ۔ اگر جنگ ہوجائے تو اُس کے نتائج و عواقب دنیا و آخرت میں جو ہوسکتے ہیں ، بیان کئے گئے تاکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ، آخری منزل میں بھی ایک مرتبہ اور اتمامِ حجت ہوجائے ۔

اس طرح مہدویوں کو بھی جب کبھی دین کے تحت جنگ کا سابقہ ہوا تو انہوں نے کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنی طرف سے پہل

نہیں کی ہے۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے بھی میدانِ جنگ میں خود اقدامِ جنگ نہیں فرمایا بلکہ اتمامِ حجت کے لئے آپ نے تو پہلے اپنے گھوڑوں کا رخ پھیر لیا تھا۔ اس کے باوجود، دشمنانِ دین کی افواج نے حملہ کردیا۔ اور "نعرۂ تسبیح " بلند فرمایا:-

لَااِلٰہ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

اَللّٰہُ اِلٰھُنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا

اَلْقُرْآنُ وَالْمَھْدِیُ اِمَامُنَا آمَنَّا وَصَدَّقْنَا

آپ نے فقرائے متوکلین علی اللہ ساٹھ (60) سوارانِ بے سروسامان کے ساتھ عصری آلاتِ حربہ سے مسلح باقاعدہ ساٹھ ہزار (60000) کی سرکاری فوج کو شکستِ فاش دے دی۔!!! اس طرح حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی پیشین گوئی بطورِ اعجاز، منجانب اللہ پہلے دن کی جنگ میں پوری ہوئی۔

ایک دن کے وقفہ کے بعد فوج پھر جمع ہوکر حملہ آور ہوئی تو میدانِ جنگ میں سردارانِ فوج سے بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ نے خطاب فرمایا :-

"تم کس لئے ہم پر ظلم و ستم کرتے ہو؟ اور کیوں ہمارے قتل کے درپے ہو؟ ہم کسی کے ملک و دولت کو لوٹتے نہیں ہیں۔ اور نہ سلطنت و حکومت پر قبضہ کر لینے کی نیت رکھتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی ذات کے طالب ہیں۔ اور اُنہی اُمور سے سروکار رکھتے ہیں۔ جو موجبِ رضائے الٰہی ہیں۔ اور دوسروں کو بھی عشق و محبت و طلب الٰہی کی دعوت دیتے ہیں۔"

اس کے بعد بھی دشمنانِ دین پر آپؓ کی حقانیت و مظلومیت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ شقاوتِ قلبی سے آمادۂ جنگ ہوئے اور اقدامِ جنگ کیا تو اس نوبت پر، مدافعانہ جنگ ناگزیر ہوگئی۔ آخر آپؓ مع رفقاء، شہید ہوگئے۔ سدراسن۔ پٹن۔ چاپانیر، علاقۂ گجرات کے ان تین مقامات

میں آپؓ کی تین زیارت گاہیں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام ہی کی پیشین گوئی کے مطابق موجود ہیں۔!!!

غرض یہ کہ حکمِ جہاد کی پہلی آیت " وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ " میں ہدایت کی روح یہ ہے کہ جنگ میں پہل نہ کی

جائے۔ نورِ ہدایت کی یہ روشنی جہاد بالسیف کے تمام احکام اور تمام حالات میں مومنین کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ ایسے اعلیٰ و ارفع، امن و رحمت پر مبنی حکمِ الٰہی کو منسوخ قرار دینا ، مقصود و مرادِ الٰہی کے احترام کے مغایر اور مذہبِ اسلام کو ناحق موردِ الزام کرنے کا باعث بھی ہے۔!!! فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (سورۃ الحشر) 2 ترجمہ :- پس بصیرت رکھنے والو عبرت کرو۔

اسی لئے امامِ رازیؒ نے بھی اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ :-

" بے شک یہ آیت ہم سے جو قتال کریں اُن سے قتال کرنے کے حکم پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے۔"

ہم نے جن آیاتِ قتال کا با دلائل واضح بیان کیا ہے ، اُس کی تائید دوسری آیاتِ شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (سورۃ الشوریٰ) 41-42

ترجمہ :- اور جو کوئی اپنے پر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی راہِ ملامت نہیں۔ یقیناً راہِ ملامت اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق زمین میں بغاوت و سرکشی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیہ شریفہ سے واضح ہے کہ جو غیر مسلم خدا کے بندوں پر ظلم نہیں کرتے اسلام کے خلاف ، فتنہ و فساد برپا نہیں کرتے ، خواہ وہ کتنے ہی عقایدِ باطلہ کے حامل ہوں۔ اُن کفار و مشرکین سے قتال ، کے لئے فی سبیل اللہ کوئی گنجایش ، مومنین کے لئے نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں مشرکین و کفار سے قتال یا حسنِ سلوک و دوستی کے بارے میں اس سے بھی زیادہ واضح و صریح احکام موجود ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورۃ المتحنۃ) 8-9

ترجمہ :- اللہ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تو صرف اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے، جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی۔ اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی دد کی۔ ان لوگوں کو جو کوئی (مسلمان) دوست بنائے گا وہ سب کے سب (مسلمان) ظالم ہیں۔

اس آئیہ شریفہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ مشرکین و کفار سے قتال ہو تو کس صورت میں ہو۔ اور کن صورتوں میں اُن سے دوستی، حسنِ سلوک اور انصاف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ حکم بھی واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ کن صورتوں میں اُن کے ساتھ دوستی کرنے والا مومن و مسلمان بھی ظالموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔!!!

جب قتال کی شرائط موجود ہوں اور قتال فرض ہوجائے تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد بالسیف فرض ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورة البقرہ) 216

ترجمہ :- تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو۔ اور اللہ جانتا ہے۔ اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

جنگ کی وجہ سے جان کا، مال کا اور خاندانوں کے اسبابِ معیشت کا نقصان ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دین کی خاطر، جنگ میں حصہ لینے سے بعض قلوب میں تامل و تشویش کا امکان رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالٰی نے یہ واضح ہدایت فرمائی ہے کہ جب از روئے دین

، کفار و مشرکین سے جنگ فرض ہوجائے، تو ہر مومن پر لازم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل میں سب کچھ نثار کردے۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود، احکامِ دین کی تعمیل ہی پر منحصر ہے۔ اس لئے راضی برضائے الٰہی ہوجائے۔ اللہ تعالٰی کے

احکام میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہماری عقل ، اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ ایسے وقت ، عقل و شیطان کے وسوسہ سے بچنا ، تقویٰ اختیار کرنا ، مال ، اولاد ، عزت اور جان سب کچھ فی سبیل اللہ قربان کردینا ہی اقتضائے شانِ ایمان ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مزید تفصیل کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے۔:-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ۝ (سورة التوبه) 24

ترجمہ :- (اے محمدؐ) مسلمانوں سے کہدیں کہ تمہارے ماں ، باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی ، تمہاری بیویاں ، تمہارے خاندان والے اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو۔ اور تمہارے مکانات جن سے تم خوش ہوتے ہو۔ اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قہر) تم پر نازل ہوجائے ۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ایک اور آیہ شریفہ میں جہاد باسیف سے پہلوتہی کرنے والے مسلمانوں کے لئے سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ج فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورة التوبه) 38-39

ترجمہ :- اے ایمان لانے والو! تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لئے اللہ کے راستہ میں نکلو تو زمین کی طرف بوجھل ہوجاتے ہو۔ کیا تم آخرت کی بجائے حیاتِ دنیا پر راضی ہوگئے ہو؟ پس دنیاوی زندگی کا فائدہ آخرت میں قلیل ہونے کے سوائے کچھ نہیں ۔ اگر تم (وقت آنے پر بھی) جہاد کے لئے نہ نکلوگے تو خدائے تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو (اپنا کام لینے کے لئے) پیدا کردے گا۔ اور تم اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکوگے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

اِن آیاتِ شریفہ سے جہاد بالسیف کی ضرورت و اہمیت پر روشنی پڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے دو (2) ہی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ با ایمان زندگی یا موت۔!!! اگر دارالاسلام پر یا مسلمانوں کے حقوقِ مذہبی آزادی پر حملہ کیا جائے ، اسلام اور مسلمانوں

کو نیست و نابود کردینے کی کوشش کی جائے تو ہر مسلمان پر اس کی مدافعت فرضِ عین ہوجاتی ہے۔ جس طرح نماز ، روزہ ، ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ایک مسلمان کے نماز پڑھ لینے اور روزہ رکھ لینے سے دوسرے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے اِسی طرح جہاد بالسیف بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بلکہ جہاد بالسیف کی فرضیت و فضیلت ، نماز و روزہ سے بھی زیادہ ہے ۔کیونکہ مذہبی آزادی کے حقوق حاصل نہ ہوں تو احکامِ مذہب پر عمل کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔!!!!

مقامِ جنگ سے جو لوگ دور ہوں، اُن پر بھی فرض ہوجاتا ہے کہ حتی المقدور قتال میں حصہ لیں۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کریں۔مال و زر سے امداد کریں اور جنگ میں مدد دینے کی ہر ممکن ضرورت کو پورا کرنے سے دریغ نہ کریں۔

حتیٰ کہ اولاد کو اپنے والدین کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے ۔ بیوی یا غلام کو بھی اپنے شوہر و آقا کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ مسلمان مرد ہو یا عورت ہر ایک کو حتی المقدور اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔کیونکہ یہ خدا کا حق ہے۔!!!

اس کے مقابلہ میں ماں ، باپ ، شوہر و آقا کے حقوق کا لحاظ بھی ضروری ہوجاتا ہے ۔ جس طرح نماز و روزہ کی ادائی میں یہ حقوق حائل نہیں آسکتے، اسی طرح یہ حقوق جہاد بالسیف کے ہر ممکن تعاون سے بھی باز رکھنے کے مجاز نہیں ہوسکتے !!!

" فقہ " کی تمام متداول کتابوں میں یہی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے:-

فان ھجم العدو علٰی بلدوجب علٰی جمیع الناس الدفع تخلوح المروۃ بغیر اذن زوجھا والعباد بغیر اذن المون لانہ سار فرض العین و ملک الیمین ورق النکاح لا یظھر فی حق فروض الا یجل کما فی الصلوٰۃ و السلام

ترجمہ :- یعنے اگر دشمن دارالاسلام پر حملہ کر دیں تو تمام مسلمانوں پر دفاع میں شریک ہونا فرض ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ بیوی اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر دفاعی جنگ میں شریک ہو جائے۔ کیونکہ یہ " فرضِ عین " ہے۔ اور" فرضِ عین " میں ملکیت و زوجیت کا حق " مُوَثِّرْ " نہیں ہوتا ، جیسا کہ نماز و روزہ کی ادائی کو شوہر و آقا ، اجازت دیں یا نہ دیں بیوی اور غلام پر فرض ہوجاتی ہے۔

فقہی کتابوں میں ایسی صورت کے لئے " نفیر " کا لفظ بطورِ اصطلاح استعمال کیا گیا ہے۔ یعنے جب نفیر عام ہوجائے تو مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

"نفیر"، "نفر" سے مشتق ہے۔ لغت میں "نفیر" کے معنی تیزی سے دوڑنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ملتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جہاد و قتال کا وقت آ گیا ہو تو امیرِ ملت کی طرف سے طلبی اور اجتماع کو " نفیر" کہا جاتا ہے۔

صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے:-

الا ان یکون النفیر عاما فحیث عن یصیر من فروض الاعیان

ترجمہ :- یعنے جب نفیر عام ہوجائے تو مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے نفیرِ عام کی صورت اور اس کے حکم کے بارے میں لکھا ہے :-

فاذا کان النفیر عاما بان ھجموا علٰی بلدۃ من بلادا المسلمین قیصیر من فروض الاعیان

ترجمہ :- یعنے جب مسلمانوں کے کسی شہر پر غیر مسلموں کے حملہ کرنے کی نفیرِ عام ہوجائے تو اُن غیر مسلموں سے جنگ کرنا فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ " موطا" میں فرماتے ہیں:

ترجمہ :- یعنے کفار و مشرکین اسلامی شہروں پر حملہ کر دیں اور مسلمانوں کے امام کی طرف سے نفیرِ عام ہوجائے تو جہاد تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

اگر امام و امیر کی نفیر کا موقع نہ ہو اور حالات ، نفیر کے مقتضی ہوں تو اس صورت میں بھی جہاد بالسیف " فرضِ عین" ہوجاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی نے لکھا ہے :-

نزدیک استغفار جہاد فرض الاعیان شود۔ استغفار را چوں منقح کینم حاصل شود حالتے کہ تقضائے استغفار شدہ

است از قصدِ کفار بلادِ مارا قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین و عدم کفایه ازاں مسلماناں وآنچه بداں ماند۔(سوی شرح موطا)

اس سے ثابت ہورہا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کے امیر و امام کی نفیر سے بلکہ حالات ایسے پیش آجائیں، جن سے مسلمان یہ جان لیں کہ اعدائے اسلام، حکومتِ اسلامیہ پر حملہ آور ہورہے ہیں، یا مسلمانوں اور کافروں میں مذہبِ اسلام کے لئے جنگ چھڑ گئی ہے اور ملتِ اسلامیہ کی دفاع و حفاظت کا وقت آ گیا ہے تو خواہ کوئی بلانے والا بلائے یا نہ بلائے ، مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا۔

اسی طرح معتمد علیہ علمائے وقت کا فتویٰ بھی نفیر کے قائم مقام ہوسکتا ہے۔ غرض ہر ایک صورت کا حکم اس کے درجہ کے مطابق ہوگا۔ اور مقام جنگ سے قریب ہو یا دور، مقتضیاتِ جنگ کے لحاظ سے جس فردِ مسلم و مومن میں جس قدر قوت و استعداد حاصل ہو، اس کے مطابق جنگ میں حصہ لینا اور اسبابِ جنگ مہیا کرنے میں تعاون کرنا، فرض ہوجاتا ہے۔

اس لحاظ سے قتال فرض ہونے کی دوصورتیں ہیں ایک فرضِ عین ، دوسری فرض کفایہ ۔ مذہبِ اسلام کے خلاف مسلمانوں کے جس شہر پر کفار کا حملہ ہو جائے ، اس شہر کے بسنے والے تمام مسلمانوں پر قتال " فرضِ عین " ہوجاتا ہے۔ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ امیر ، غریب ، آقا ، غلام ، عورتیں سب اس حکم میں برابر ہیں۔ بیمار و ضعیف جن میں میدانِ جنگ میں جانے کی اور عملاً حصہ لینے کی توانائی نہ ہو، اُن سے جس قدر جو کام بھی تعاون کے لئے ہوسکتا ہو کرنا موجبِ اجر ہوگا۔

اگر مقامی لوگ کمزور ہوں ، بے ہتیار ہوں یا قتال کو بارِگراں سمجھ کر بزدلی اختیار کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں اس شہر سے قریب کے مسلمانوں پر جہاد میں حصہ لینا "فرضِ عین" ہوجاتا ہے۔ اس طرح اقتضائے وقت کے اعتبار سے بتدریج تمام دنیا کے مسلمانوں پر فرضِ عین ہوجائے گا۔ اسی لئے صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے۔:-

ان الجهاد اذا جاء النفير انما يصاير فرضِ عين علٰى من يقرب من العدو نامامن وراء هم لبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم ---- فان احيتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن لامقاومة مع العدو اولم يعجزوا عنها كنتم تكاسلوا ولم يجاهدوا فان يضترض علٰى من يليهم فرض عين --- ثم انى ان يفترض علٰى جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً علٰى هذاالتدريج ---الخ

ترجمہ :- جب جہاد کی نفیر عام ہوجائے تو جو کوئی دشمن سے قریب ہو اس پر وہ "فرضِ عین" ہوجاتا ہے۔ مگر جو لوگ دشمن سے دور ہوں

اُن پر فرضِ کفایہ رہتا ہے۔ اگر دوسرے مقام کے مسلمانوں کی ضرورت ہو، اس طرح کہ مقامی لوگ، دشمن کی مدافعت سے عاجز آ گئے ہوں لیکن پست ہمتی کی وجہ سے قتال سے باز رہے ہوں تو اُن لوگوں پر جہاد فرضِ عین ہوجائے گا جو قریب ہوں ۔۔۔۔۔ اسی طرح بتدریج تمام مسلمانوں پر شرقاً و غرباً فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں ہوں ، مسلمان کی حیثیت سے جینا محال ہوگیا ہو ، لوٹ مار جاری ہو۔ مذہبی آزادی سے محروم کیا جارہا ہو، اور حکومتِ وقت اس فتنہ کے انسداد پر قادر نہ ہو اور مسلمانوں میں بھی مدافعت کی قوت نہ ہو، عاجز ہوں تو اُن مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس ملک سے ہجرت کے مصائب برداشت کرکے اپنے ایمان و اسلام کا تحفظ کریں۔

حاصلِ کلام یہ کہ آیات و احادیث ، عملِ خلفائے راشدینؓ اور احکامِ فقہیہ کی مذکورۃ الصدر تفصیلات میں نکتہ ضرور مضمر پایا جارہا ہے کہ قتال کی ان تمام صورتوں میں احکام کا تعلق ، دشمنانِ دینِ اسلام کے حملہ ہی سے ہے۔ لیکن کسی کو مسلمان بنانے یا تبلیغِ اسلام کے لئے تلوار اٹھانے کا کسی حکم میں کہیں اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہ نکتہ ضرور ذہن نشین رہنا چاہیئے !!!

اسلام سے پہلے جو جنگیں ہوا کرتی تھیں ، اُن میں جتنے غیر اخلاقی ، غیر انسانی اور وحشیانہ طریقے اختیار کئے جاتے تھے ، اسلام نے اُس طاغوتیت کی ایسی اصلاح کی ہے کہ اسلامی جنگ بھی بالآخر رحمت ہی ثابت ہوتی تھی۔!!!

اسلامی آدابِ جنگ میں یہ حکم نہایت ہی اہم ہے کہ جو کچھ بھی کیا جائے خالصاً لِوَجْہِہٖ اللہ (صرف اللہ کے لئے) ہو۔ نفسانیت اور جوشِ انتقام کے حامل ، ذاتی اور فاسد جذبات کا دخل ہو اور نہ دنیاوی اغراض پیشِ نظر ہوں۔ ورنہ محض نفسانیت اور مفادات کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کی وجہ سے مسلمان اس دنیا میں بھی جان ، مال اور عزت کے نقصان میں مبتلا ہونگے اور اُن کو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی اجرِ عظیم سے محروم رہنا پڑے گا۔

احادیث کی متداول کتابوں میں کئی روایات اس بارے میں پائی جاتی ہیں :-

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ :-

جاء رحل الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ما القتال فی سبیل اللہ فان احدنا یقاتل غضبا و یقاتل حمیۃ فرفع

الیه راسه فقال من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله

ترجمہ :- ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ۔ یا رسول اللہ ! قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی جوشِ غضب میں لڑتا ہے اور کوئی حمیت کی حالت میں لڑتا ہے ؟ آپؐ نے اس کی طرف سر اُٹھایا اور فرمایا کہ جو کوئی شخص اس لئے لڑتا ہے کہ صرف اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو، تو وہی (قتال) فی سبیل اللہ ہے ۔

نیز ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ :-

جاء رجل الی النبی ﷺ فقال الرجل یقاتل للغنم والرجل یقاتل الذکر والرجل یقاتل لیرمی مکانه فمن فی سبیل الله فقال من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیافهو فی سبیل الله

ترجمہ :- ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا ، کوئی شخص مالِ غنیمت کے لئے لڑتا ہے ، اور کوئی شخص شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے ، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے ۔ پس کس مجاہد کی جنگ فی سبیل اللہ ہے ؟ آپؐ نے فرمایا جو (مومن) اس لئے جنگ کرتا ہے کہ صرف اللہ کا کلمہ ہی بلند ہو ، پس وہی اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا ہے ۔!!!

معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ :-

الغزوغزوان فامامن ابتغٰی وجهه الله واطاع الامام وانفق الکریم واجتنب الفساد فان نومه و بنهته اجر کله واما من غزا رباء و سمعة و عصی الامام و افسد فی الارض فانه لا یرجع بالکفاف

ترجمہ :- جنگ کی دو قسمیں ہیں ۔ جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لئے جنگ کی اور (جنگ میں) امام کی اطاعت کی ، اپنا بہترین مال خرچ کیا ، اور فساد سے پرہیز کیا، تو اُس کا سونا اور اس کا جاگنا ، سب اجر کا مستحق ہے ۔ اور جس نے دِکھاوے کے لئے اور شہرت و ناموری کے لئے جنگ کی اور اُس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا ، تو بے شک وہ شخص زادِ آخرت کے ساتھ نہیں لوٹے گا ۔!!!!

جنگ میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملنے لگا تو اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ مسلمانوں میں مالِ غنیمت کا شوق ، جہاد میں شرکت کا سبب نہ بن جائے ۔ اس لئے احکامِ خدا و رسولؐ کے خلاف ، مالِ غنیمت من مانے لے لینا ، سخت ممنوع قرار دیا گیا ۔ بلکہ ایسی نیت کا ہونا بھی

اللہ و رسولؐ کی ناخوشی کا اور شرکتِ جہاد کے ثوابِ عظیم سے محروم ہوجانے کا سبب قرار دیا گیا۔

یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ مالِ غنیمت کس کو کہتے ہیں۔ مالِ غنیمت کو کس طرح لینا ، حلال یا حرام ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت کس طرح جمع کیا جائے ، کس طرح تقسیم کیا جائے ، ان سب امور کی اصلاح کے لئے آداب و احکام جاری کئے گئے۔

دنیا کے کسی مذہب میں اور دنیا کے کسی ملک کی سیاست میں ، جنگ کے جیسے خطرناک موقع پر بھی شرافت ، انسانی ہمدردی ، خدا ترسی کی ان اعلیٰ اقدار کا تحفظ اور للّٰہیت اور خوفِ خدا کے جیسے اعلیٰ محاسن کا پایا جانا ، محال ہے۔

حضرت مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا تعلق ، اسلام کے مسائلِ ولایت اور مسائلِ عشق و محبتِ الٰہی سے ہے۔ اس لئے اسلام کے جس حکم میں زیادہ " عزیمت " و " عالیت" پائی جاتی ہو ، اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے کلمہ گو سرکاری افواج کے حملہ آور ہونے پر مہدوی مجاہدین کو جو صرف فقرائے متوکلین علی اللہ تھے ، بے سروسامان ہونے کے باوجود اس مدافعانہ جنگ میں فتحِ عظیم ہونے کے بعد حکم دیا تھا کہ میدانِ جنگ میں جو کچھ سامان ، مخالف افواج کا پایا جارہا ہے ، اس میں سے حسبِ ضرورت ، ہتیار کے سوائے کوئی چیز نہ لی جائے ۔ ورنہ مظلومیت و شہادت کے اجرِ عظیم سے محروم ہوجاؤ گے۔!!!

جنگ کے موقع پر جوشِ غضب اور جذبۂ انتقام میں حدود اللہ سے متجاوز ہو جانے اور ظلم کے مرتکب ہونے سے بھی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ تاکہ نفسانیت کا فساد ، " جہاد بالسیف" کے " مقصدِ اصلاح " میں حائل نہ ہونے پائے۔!!!

چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی :-

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا مغیرا ولا امواۃ ولا تغلوا وضموا غنائکم واصلحلوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین

ترجمہ :- کسی بوڑھے ضعیف کو اور چھوٹے بچہ کو اور عورت کو قتل نہ کرو اور نہ حد سے تجاوز کرو۔ اور تمہارے اموالِ غنیمت سب ایک جگہ جمع کرو اور نیکی و احسان کرو یقیناً اللہ ، محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔

نیز شدید تاکید کے ساتھ ہدایت فرمائی :-

واللہ قدوعظمت و امرت و غیت من اشیاء انھا لمثل القرآن اواکثرو ان اللہ تعالٰی لم یجل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب لا ضرب نساءھم ولا اکل ثمارھم

ترجمہ :- اللہ کی قسم ! میں جو نصیحت کرتا ہوں اور جن مسائل کے بارے میں امر یا نہی کرتا ہوں ، بے شک وہ قرآن کے اتنا یا زیادہ ہے ۔ بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے جائز نہیں کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوجاؤ اور اُن کی عورتوں کو مارو اور اُن کے پھل کھا جاؤ۔

نیز قرآنِ مجید میں بھی اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَ یُھْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (سورۃ البقرہ) 205

ترجمہ :- اور جب والی بن جاتا ہے تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش اور فصلوں اور نسلوں کو تباہ و ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ۔ !!

قرآن ، احادیث ، تفاسیر ، فقہ ، تاریخِ اسلام کی کتابوں میں بے شمار ہدایات و تفصیلات موجود ہیں ۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بے مثال ہدایات و ارشادات پر عمل کرنے کی وجہ سے اسلامی جنگ بھی " رحمت " بن جاتی تھی ۔ ! لوگوں کو کفر اور شرک کے جبر و استعباد سے چٹکارا مل جاتا تھا اور انہیں فکر و عمل کی آزادی مل جاتی تھی جس کے نتیجے میں ہزاروں گمراہ انسانوں کے قلوب ، ان محاسنِ اصلاح سے متاثر ہوجاتے تھے اور وہ ذوق و شوق سے اسلام قبول کر لیتے تھے ۔ !!!

اسلامی تعلیمات سے بے بہرگی کی وجہ سے آج پچھلی قوموں سے بھی زیادہ وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہورہا ہے ۔ رنگ و نسل کی رقابتوں ، قوم و زبان کی عداوتوں کی وجہ سے فسادات ہوں یا ہوسِ ملک گیری اور اغراض و مفادات کے لئے حکومتوں کی لڑائیاں ہوں ، ہزاروں ، لاکھوں ، بے گناہ انسانوں کے بلا امتیاز قتل و غارت گری کا سبب بن رہی ہیں ۔ خطرناک ہتھیاروں کی ایجادات کی وجہ سے بڑے بڑے شہر ، آنِ واحد میں تباہ و تاراج کرکے کھنڈر بنائے جارہے ہیں ۔ اُصول و دیانت اور حق و انصاف کی بجائے دولت اور فوجی قوت کی حکمرانی ہے ۔

دورِ حاضر میں قومِ اسرائیل نے اللہ کے ایک رسول کی امت ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود، بعض ممالکِ عرب کے خلاف جون 1967ء کی مختصر مگر پرفریب اور بدترین جنگ میں، اپنے اسلاف کی شقاوت و درندگی کی تاریخ، انتہا درجہ سفاکی کے ساتھ پھر ایک بار دہرائی ہے۔ حتیٰ کہ "بیت المقدس" کو بھی اپنے پنجۂ ظلم کی گرفت میں لے کر بلا لحاظِ فرق، پوری دنیا کے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا ہے۔!!!

واقعہ تو یہ ہے کہ آثارِ قیامت کے اس دور میں عیسائی ہوں کہ یہود، مسلمان ہوں کہ غیر مسلم، سب حکومتوں کی سیاسیات، غیر اسلامی، طاقتور حکومتوں سے کسی نہ کسی طرح وابستگی کی وجہ سے ایسی راہ پر گامزن ہیں کہ جس کی تائید، رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیمات سے قطعاً ممکن نہیں۔!!!

کاش، عربوں کی یہ لڑائی، نام نہاد "عرب قومیت" کے لئے نہ ہوتی، عرب سرزمین کے لئے نہ ہوتی بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اللہ کے دین کے لئے ہوتی، اللہ کے بھروسے ہوتی اور اللہ کے احکام کے تابع ہوتی۔!!!

اس کے برعکس خود عرب ممالک ایک دوسرے پر اپنے اپنے پسندیدہ غیر اسلامی سیاسی نظریات کو سازشوں اور خونریزیوں کے ذریعہ مسلط کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ایک ملکِ عرب کی افواج کے ذریعہ دوسرے ملکِ عرب پر جان اور مال کے نقصانات عاید کئے گئے، بلکہ بعض مشہور و معروف علمائے عرب کی جانیں لینے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

اَللّٰھُمَّ اَحْفِظْنَا عَنَ الْشُرُوْرِوَ النَّفْسّ۔

چنانچہ شاہِ مراکش کے ایک بیان میں ایسے ہی اشارات پائے جاتے ہیں:

رباط۔ 10 / جولائی 1967

"مراکش کے شاہِ حسن نے عربوں کی حالیہ ناکامی پر تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے اپنی توانائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف، سازش اور ریشہ دوانیاں کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ہمارا زیادہ وقت آپسی اختلافات اور معاندانہ سرگرمیوں میں ضائع ہوگیا۔ ہم نے اللہ کو فراموش کردیا۔ اسلام کا نام بلند کرنے پر ہم نے عرب قوم پرستی کو اپنا مطمعِ نظر بنا لینے کو ترجیح دی۔ بعض قایدینِ اسلام نے اسلام کا

پیرو اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فدائی ہونے کے برخلاف، اپنے آپ کو فرعون کا جانشین کہلانے پر فخر محسوس کیا۔ اس کا نتیجہ آج ہم سب کے سامنے ہے۔ شاہِ مراکش نے کہا، اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی توبہ کریں اور اپنا محاسبہ کرلیں تو پھر ہمیں عروج نصیب ہو سکے گا۔" (رہنمائے دکن مورخہ 11/ جولائی 1067ء)

الغرض، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کفار و مشرکین کو قتل و غارت کرکے اُن کا وجود، جبراً دنیا سے مٹا دینے کے لئے نہیں ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف، دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو، قوت وغلبہ حاصل ہونے کے باوجود، تلف کرنے یا اُن کی بے حرمتی کرنے کی قرآن و احادیث میں ممانعت پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شانِ مبارک میں "رحمۃ للعالمین" ارشاد فرمایا ہے۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے دنیا کے انسانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ:-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔۔الخ (سورۃ الاعراف)158

ترجمہ:- اے لوگو! بے شک میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔

اور آپؐ کو ہدایت دی گئی کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ط (سورۃ النحل) 125

ترجمہ:- (اے محمدؐ) اپنے رب کے راستہ کی طرف، حکمت اور نصیحت سے بلاؤ اور اُن کے ساتھ اُسی اچھے طریقہ سے بحث کرو۔

نیز ہدایت فرمائی:-

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۔۔۔الخ (سورۃ حٰم السجدۃ) 34

ترجمہ:- اور نیکی اور بدی دونوں برابر نہیں ہوتے۔ بدی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو زیادہ اچھا ہے۔!!!

نیز آپؐ پر آپؐ کے منصبِ مبارک کی خصوصیت واضح کی گئی:-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (سورۃ اٰل عمران) 159

ترجمہ :- یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تو اُن کے لئے نرم دل بنایا گیا۔ ورنہ اگر تو سخت کلام اور سنگدل ہوتا تو وہ تجھے چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔

" رِفق" یعنے نبی ﷺ کی نرم دلی کے بارے میں بھی کئی احادیث پائی جاتی ہیں۔ بطورِ مثال چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے قرآن کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جو قلوب میں نرمی ، ارواح میں گرمی اور خیالات میں انقلاب پیدا کریں۔ اس کے بعد احکام کی آیات نازل ہوئی ہیں۔"

" فتح مکہ کے بعد مکہ کے بڑے بڑے سردار جو محمد ﷺ کے دشمن ، مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کے سدِراہ تھے ، آج حرم کی صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔" حضرت محمد ﷺ نے اُن پر نظر ڈالی اور سوال فرمایا کہ اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرونگا؟ سب نے کہا ، آپؐ نوجوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں " ارشاد فرمایا: جاؤ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ، تم سب آزاد ہو۔ !!!

" ہندہ ، ابوسفیان کی بیوی جس نے " اُحد" کے میدان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑے کئے تھے ، نقاب اُوڑھے ہوئے سامنے حاضر ہوئی۔ عام معافی کے اعلان سے خوش ہوکر چلا اٹھی کہ " اے اللہ کے رسولؐ ! آج سے پہلے مجھے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی ، مگر آج سے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے عزیز نہیں معلوم ہوا "۔

"بخاری" کی حدیثِ شریف ہے کہ " ایک دفعہ مسجدِنبوی میں ایک بدوی (صحرائی) پیشاب کرنے لگا ، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دوڑ کر اس کو منع کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے صحابہؓ کو فوراً روک دیا۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا تو آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ پانی بہادو ، اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ سختی کرنے کے لئے نہیں بلکہ " رفق " و آسانی کے لئے بھیجے گئے ہو۔ !!!"

غور کا مقام ہے کہ مسجدِنبویؐ ہونے کے باوجود " بدوی " کو پیشاب سے فارغ ہوجانے کا موقع دینے میں آپؐ کی کس قدر حکمت اور رحم دلی پائی جارہی ہے۔ چونکہ بدوی کا یہ فعل ، نادانی و ناواقفیت کی وجہ سے تھا ، اس لئے آپؐ نے بدوی کے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ کیوں کہ پانی بہا کر جگہ پاک کردینے کے حکم سے بدوی پر بھی واضح ہوگیا کہ " مسجد " احترام کی جگہ ہے۔ !!!

اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپؐ نے رحم دلی اختیار کرنے کی واضح الفاظ میں ہدایت فرمائی ، اور آگاہ فرمایا کہ خدا نے تم کو منصبِ ہدایت پر اسی خصوصیتِ " رفق " کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ۔ کیوں کہ " صلاح " کے بغیر " اصلاح " نہیں ہو سکتی ۔ اور جو " منور " نہ ہو ، " منیر " نہیں بن سکتا ۔ اس لئے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو زیادہ سے زیادہ " صاحبِ صلاح " بنانے کی سعی فرمائی ، تاکہ " اصلاح " کا کام کماحقہٗ ، انجام پا سکے ۔ اسلامی جنگ بھی " اصلاح " کی ایک اہم منزل ہے ۔

حضرت رسولِ اکرم ﷺ جو فرماتے تھے اور جو عمل کرتے تھے ، اللہ تعالٰی کی اس تعلیم پر مبنی ہوتا تھا ، جو بلاواسطہ ، یا بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام ، آپؐ کو ہوا کرتی تھی ۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے قرآنِ مجید میں حضرت محمد ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد جاری فرمایا ہے :-

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ ہٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ (سورۃ الاعراف)203

ترجمہ :- کہو (اے محمد) اس میں شک نہیں کہ میں پیروی کرتا ہوں اس کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف ، میرے رب کی طرف سے یہ (قرآن جس میں راہِ حق دکھانے والی) دلیلیں ہیں (جو) تمہارے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے اور ہدایت ہے ، رحمت ہے ، قومِ مومنین کے لئے ۔

اس لئے " جہاد بالسیف " کی جن صورتوں میں تلوار سے کام لینے کی ضرورت ہوئی ، آپؐ نے اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے حکم ہی کے تحت ، تلوار اٹھانے کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا ۔ جہاد بالسیف کے بارے میں جن آیات و احادیث اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان گزرا ہے ، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے ۔

اس کے علاوہ " جنگ بدر " سے متعلق جو آیات قرآنِ مجید میں موجود ہیں ، اُن سے یہ بات اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡہُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝ع (سورۃ الانفال) 44

ترجمہ :- اور (یادکرو اس وقت کو) جب اللہ نے تم کو تمہارے خواب میں اُن کی تعداد کم دکھائی۔ اگر اللہ تم کو اُن کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تمہاری ہمتیں پسپا ہوجاتیں اور امرِ جہاد میں تم آپس میں جھگڑ لیتے۔ لیکن اللہ نے (بے ہمتی اور اختلاف سے) بچا لیا۔ بے شک وہ تو دلوں کی باتیں جاننے والا ہے۔ اور جب کہ تم (دشمن کے) مقابل ہوئے تو تمہاری نظروں میں اُن لوگوں کو کم کرکے دکھلا رہا تھا۔ (اسی طرح) اُن دشمنوں کی نظروں میں تم کو کم کرکے دکھلا رہا تھا تاکہ جو کام پورا کرنا منظور تھا اُس کی تکمیل کردے۔ اور سب کام (مقدمے) اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔

"جنگِ بدر" کے معرکۂ عظیم کے موقع پر مسلمانوں کا موقف ، اُصولِ حرب کے لحاظ سے بہر جہت کمزور و ناموافق تھا۔ تعداد کے لحاظ سے ، عصری آلاتِ جنگ کے اعتبار سے دشمنانِ دینِ اسلام کی قوت ، کئی گنا زیادہ تھی۔ دشمن کی فوج نے جس مقام پر صف آرائی کی تھی ، وہ بلند تھا۔ مسلمانوں کا مقام نشیب میں تھا۔ دشمن کی زمین سخت تھی ، مسلمانوں کی زمین ریتلی نرم تھی۔ اس کی وجہ سے حالتِ جنگ میں "پینترہ" یعنے قدم بڑھانے اور جمانے میں دشواری پیش آتی تھی۔ دشمن کے مقام سے پانی قریب تھا، مسلمانوں کے مقام سے دور تھا۔

دشمنوں کے لشکرِ جرار کا حربی موقف ہر حیثیت سے برتر و طاقتور تھا۔ ایسی صورت میں مقابلہ کے لئے اقدام کا ارادہ کرنا ، مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا۔ لیکن قادرِ مطلق تعالیٰ شانہٗ کا منشاء یہی تھا کہ حضرت محمد ﷺ سے اعجازِ عظیم کا ظہور ہو ، اور دشمنانِ دین کو معلوم ہوجائے کہ آپؐ کی حمایت میں غیبی طاقت ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عالمِ رویا ، یعنے خواب میں دشمنوں کی فوج کی تعداد کم دکھائی اور یقیناً فتح ہونے کی بشارت دی۔ جس کی بنا پر آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی بشارتِ فتح سے اور خواب کی کیفیت سے واقف کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسی بارش ہوئی کہ مسلمانوں کے لئے پانی کی نہریں جاری ہوگئیں اور ریتلی زمین دب کی سخت ہوگئی۔ فرشتوں کا نزول بھی ہوا اور کفار کی سخت زمین کیچڑ ہوگئی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی نظروں میں مقابلہ کے وقت ایسی کیفیت پیدا فرما دی کہ مسلمانوں کا لشکر بہت ہی کم نظر آنے لگا تاکہ معمولی تعداد نظر آنے کی وجہ سے حملہ کرنے میں خوف یا تامل نہ کریں۔ اور مسلمانوں کی نظروں میں بھی ایسی کیفیت پیدا فرما دی کہ دشمنوں کا لشکرِ جرار بہت ہی قلیل تعداد میں نظر آنے لگا۔

منجانب اللہ تائید غیبی کے اس اہتمام کی وجہ سے آپؐ کو فتحِ عظیم حاصل ہوگئی۔ جس کو آنحضرت ﷺ کا بہت بڑا معجزہ قرار دیا گیا۔ اور قرآنِ مجید میں بھی اس جنگ کا تذکرہ فتحِ عظیم اور معجزۂ عظمیٰ کی حیثیت سے موجود ہے۔!!!

اس اہتمام کی وجہ سے دشمنانِ دین کو بخوبی معلوم ہوچکا کہ آپؐ نے رسول اللہ ہونے کا جو دعویٰ فرمایا، اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے۔ اور بے شک آپؐ کا وجودِ مبارک " رحمۃ للعالمین" ہے۔

مزید بدیہی ثبوت یہ ہے کہ دعوئے رسالت کے بعد تیرا (13) سال کے عرصہ میں ، دشمنانِ دینِ اسلام کی طرف سے آپؐ نے بے شمار مصائب و آلام برداشت کئے اور آپؐ کا کلمہ پڑھنے والے آپؐ کے صحابہؓ میں شمار کئے جانے والے بھی اِن مصائب و آلام کے سہیم رہے۔ لیکن آپؐ نے کبھی تنگ آ کر ، تلوار اٹھانے ، ظلم وشقاوت کی مقاومت کرنے کا ارادہ بہ حیثیتِ انسان بھی ظاہر نہیں فرمایا۔کیونکہ آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے ، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا اپنی طرف سے کوئی اقدام نہیں فرمایا کرتے تھے۔

غرض جہاد بالسیف کا حکم حضرت رسالتمآب ﷺ پر بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام یا بلاواسطہ ، راست ذاتِ باری تعالیٰ سے بطورِ وحی ہوا کرتا تھا۔

آپؐ کے بعد قیامت تک مومنین کے لئے بھی اپنے نفس یا اپنے ذاتی مفادات یا غیر اسلامی اغراض یا غیر اسلامی سیاسیات و نظریات کے تحت تشدد اور شمشیر زنی کا اختیار ، قطعاً نہیں ہے۔کیونکہ مومنین کا ایمان ، صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام پر ہوتا ہے۔ عبادات ، معاملات ، زندگی و موت ، امن و جنگ سب کا انحصار ، احکامِ شرعیہ پر ہی ہوتا ہے۔ احکامِ شرعیہ کے بغیر ، جہاد بالسیف فرض نہیں ہو سکتا۔!!!

حاصلِ کلام یہ کہ رسالتمآب ﷺ کی بعثت ، مشرکین و کفار سے محض جنگ کرنے کے لئے نہیں ہوئی ، جہاد بالسیف تو اسلام کا ایک موقتی حکم ہے جو مخصوص شرائط کے ساتھ ، فرض کیا گیا ہے۔ جب وہ فرض ہوجاتا ہے تو دوسرے تمام فرائض پر "مُرَجَّحُ " ہوتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے رسالتمآب ﷺ کی شانِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے :-

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝ (سورۃ القلم) 4 یعنے اور بے شک تم اخلاقِ عظیم پر فائز ہو۔

اس آیہ شریفہ میں " اِنَّ " لامِ تاکید اور " عظیم" کے الفاظ سے آپؐ کے اخلاق کی اہمیت و عظمت کو واضح فرمایا گیا ہے۔یہی آپؐ کی رسالت کی روحِ رواں ہے۔ اللہ تعالٰی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ (سورۃ المائدۃ) 3 یعنے اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ " خلقِ عظیم" ہی " دینِ اسلام " کی اصل ہے جس کی انتہا وہی ہے جیسا کہ رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تُخَلِّقُوۡا بِاَخۡلَاقِ اللہ یعنے اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

اللہ کے اخلاق میں فنائیت کے مقامات و مدارج کا حاصل ہونا ، منتہائے " خلقِ عظیم" ہے۔ رسالتمآب ﷺ نے " خلقِ عظیم " پر بدرجۂ اکمل و اتم خود عمل فرمایا اور دنیا کے انسانوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی۔آپؐ کا اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل " جہاد" یہی تھا۔!!!

موجودہ زمانہ کے طریقائے جنگ اور اسبابِ جنگ کے تذکرہ کا مقصد ممالکِ عالم کی سیاست میں رائے زنی کرنا نہیں ہے ، بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے جیسے مذہبِ اسلام کے اہم مسئلہ پر ہر زاویہ سے روشنی ڈال کر یہ دکھانا مقصود ہے کہ " رحمۃ للعالمین" کی تعلیمات و احکام کے خلاف جو قتال ہو ، وہ قتال " فی سبیل اللہ " نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس پر جہاد کا حکم صادق آسکتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ قتال ،

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔

مذہبِ اسلام میں "جہاد" کے معنوں کا انحصار صرف قتال بالسیف پر نہیں ہے۔ یہ لفظ لغوی و اسطلاحی متعدد معنوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً "محنت و کوشش کرنا ، پوری طاقت لگا دینا ، دشمن کے مقابلہ میں جو کچھ بن سکے کر گزرنا ، دین کی حفاظت کی خاطر اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جنگ کرنا، وغیرہ ۔

اسی لئے قرآنِ مجید میں جہاں "قتال" کا لفظ آیا ہے ،اُس سے قتال بالسیف ، بالصرحۃً ثابت ہے۔ اور جہاں "جہاد" کا لفظ آیا ہے اُس سے ہر جگہ قتال بالسیف مراد نہیں لی جاسکتی۔

اسی لئے قرآن و احادیث کی روشنی میں جہاد کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

1- دشمنانِ دین سے جہاد

2- شیطان سے جہاد

3- نفس سے جہاد

ان تینوں قسموں کے جہاد کا تعلق ، دل ، زبان ، اور ہاتھ سے ہوا کرتا ہے۔ "جہاد بالسیف" کو "جہادِ اصغر" اور "جہاد بالنفس و الشیطان" کو "جہادِ اکبر" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قدرجعنا عن الجهاد الاصغرالی الجهاد الاکبر یعنے ہم ، جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں۔

تبلیغِ توحید و رسالت و خلافتِ الٰہیہ اور اظہارِ دلایل و آیات و بینات بھی انبیاء و خلفائے الٰہی کا منجانب اللہ ، جہادِ اکبر ہے۔

جہاد بالنفس کے بارے میں حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المومن من آمنه الناس علٰی دمائهم و اموالهم والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعته اللّٰه۔ والمهاجر من هجر الخطایا و الذنوب (صحیح مسلم)

یعنے مومن وہ ہے، جس سے لوگوں کی جانیں اور اُن کے اموال محفوظ رہیں اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالٰی کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اور مہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دیا ہو۔

فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کو بھی "جہاد" قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے :-

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط (سورة التوبه) 41

ترجمہ :- اور اپنے اَمْوَالْ وَ اَنْفُسْ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

نیز ارشاد فرمایا :-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ---الخ (سورة الانفال) 72

ترجمہ :- جن لوگوں نے ایمان لایا، اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔

اللہ کے راستہ میں کوشش کرنے کو بھی جہاد کہا گیا ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ج (سورة الحج) 78

ترجمہ :- اور اللہ کے معاملہ میں خوب کوشش کرو جیسا کہ اس کے بارے میں کوشش کرنے کا حق ہے۔

لقائے رب اور طلبِ دیدارِ الٰہی کے لئے جدوجہد کرنا تو عین جہادِ اکبر ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (سورة العنكبوت) 69

ترجمہ :- اور جو لوگ ہمارے راستہ میں محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے (قرب و دیدار کے) راستے ضرور دکھائینگے۔

علمائے دین کی جو تبلیغ اور دشمنانِ دین کے اعتراضات کی جو مدافعت زبان و قلم سے ہوتی ہے، وہ جہادِ اصغر میں داخل ہے۔ اسی لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مِدَادَالْعُلَمَاءِ بِوَزْنُ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ

ترجمہ :- علماء کی سیاہی، (قیامت کے دن) شہداء کے خون سے تولی جائے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ علمائے دین کا جہاد بالقلم ، جہادِ اصغر میں شامل ہے۔ اسی لئے رسالتمآب ﷺ نے علماء کی سیاہی کو شہداء کے خون سے تشبیہ دی ہے۔ یعنے شہداء کے خون کی جزا ، عنداللہ ، ایسی عطا ہوگی ، علماء کے جہاد بالقلم کی بھی ویسی ہی جزا عطا ہوگی۔

یہ معارضہ نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ہے :-

" جتنی سیاہی دیکھوگے اُتنا ہی دل کالا ہوگا۔"

اس فرمان اور فرمانِ رسولؐ میں بظاہر تضاد واقع ہو رہا ہے ، اس لئے حدیثِ شریف یا فرمانِ مبارک کی صحت ، معرضِ بحث ہو جاتی ہے۔

یہ شبہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ حدیثِ شریف اور فرمانِ مبارک میں تضاد قطعاً نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ فرمانِ مبارک میں لفظ " سیاہی " سے کیا مراد ہے ؟ مطلق سیاہ رنگ مراد نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کالے رنگ کے کپڑے دیکھنا ، پہننا اور دوات میں سیاہی استعمال کرنا ، سب ممنوع قرار پائے گا۔ حتیٰ کہ رات کی تاریکی بھی اس لفظ " سیاہی " میں شامل ہوجائے گی۔

حضرت سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے رات کی سیاہی اور نیند کی حالت کو کس قدر بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے :-

قرصِ خورشید در سیاہی شد

یونس اندر دہانِ ماہی شد

آفتاب کی گولائی کو قرص سے اور رات کی تاریکی کو سیاہی سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں ، آفتاب سیاہی میں ڈوب گیا ، یعنے رات ہوگئی۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل گئی تھی ۔ آنکھ کو " یونس " بھی کہتے ہیں ۔ اور پلکوں میں مچھلی کے منہ کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے ۔ اس " تَشَابہ " کی بنا پر آپ نے فرمایا ہے کہ " یونس مچھلی کے منہ میں چلی گئی " یعنی نیند کے لئے پلکیں بند ہوگئیں اور آنکھیں پلکوں میں پوشیدہ ہوگئیں ۔

اس شعر میں رات کی تاریکی کو " سیاہی " سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ اگر فرمانِ امامنا علیہ السلام سے مطلق " سیاہی " مراد لی جائے ، تو رات کی تاریکی میں رہنا بھی ممنوع قرار پائے گا ۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ شریف میں بھی " سیاہی " کے لفظ سے دوات کی سیاہی مراد نہیں ہے ۔ بلکہ تبلیغِ دین اور دشمنانِ دین کے لئے اعتراضات و مناقشات کی مدافعت میں محنت و مشقت سے جو کچھ لکھا جائے گا وہ تحریر مراد ہے ۔

اُس زمانہ میں لکھنے کے لئے " سیاہی " عام طور پر متعارف تھی ، اس لئے " سیاہی " کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ بعد کے زمانوں میں لکھنے کی ہر نئی ایجاد جو ہوئی ہے ، اس تعریف میں داخل ہوسکتی ہے ۔ لہٰذا جس روشنائی سے یا جس پنسل سے تبلیغ و مدافعتِ دین میں لکھا جائے وہ تحریر بھی عنداللہ شہداء کے خون کی طرح موجبِ جزا ہوگی ۔

فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام میں بھی " سیاہی " سے مراد کتابیں ہیں ۔ جو لوگ آپؑ کی تصدیق و صحبت سے مشرف تھے ، آفتابِ ولایتِ محمّدیہ کی ضیا باریوں سے منور ہورہے تھے ۔ ان کو معصوم عن الخطا ، مفرض اطاعتہ ، ہستی سے راست ، تعلیم حاصل کرنے کا عظیم موقع حاصل تھا ۔ آپؑ جس کسی کو احکام و تعلیمات سے مشرف فرماتے ، اُن سب احکام و تعلیمات کا انحصار ، بلاواسطہ ، ذاتِ باری تعالٰی کی تعلیم ہی پر ہوتا تھا جو آپؑ کو عطا ہوتی تھی ۔ اسی لئے اتباعِ کتاب اللہ و اتباعِ رسول اللہؐ میں آپؑ معصوم عن الخطا تھے ۔

جو ہستی ، خلیفتہ اللہ اور خاتمِ ولایتِ محمّدیہ ہو ، ایسی عظیم المرتبت ہستی کی صحبت میں رہنے والوں کے لئے محدثین کی مرتب کردہ حدیث کی کتابیں اور مفسرین کی لکھی ہوئی تفسیریں اور علماء کی لکھی ہوئی فقہ وغیرہ کی کتابیں ، جو معصوم عن الخطا لوگوں کی لکھی ہوئی نہیں تھیں ، یقیناً غیر مفید اور تضیعِ اوقات کا موجب تھیں ۔ اور یہ مشغلہ خصوصاً آپؑ کی صحبت میں رہنے والوں کے لئے جہاد بالنفس

یعنے جہادِ اکبر کے اعلیٰ مراتب و مقامات ، عرفان و لقائے رب اور وصال الی المطلوب کی بے بہا نعمتوں کے حصول میں حایل ہونے کا موجب تھا۔ اس لئے حضرت مہدی ءِ موعود ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" جتنی سیاہی دیکھو گے اتنا ہی دل کا لا ہوگا۔"

یعنے میری صحبت اور میری بتلائی ہوئی طریقت سے غافل ہوکر میری اجازت کے بغیر کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جاؤ گے تو قلوب پر تاریکیاں چھا جائیں گی اور قلوب کی تنویر سے محروم ہوجاؤ گے۔!!!

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جس قوم کو پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ------ الخ(سورۃ المائدہ)54 یعنے اللہ قریب میں ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ قوم اللہ سے محبت کرتی ہے۔"

اس کے مطابق ، خصوصاً مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کے لئے اُن صفات و خصوصیات کا حامل ہونا لازم تھا جو کہ اس آئیہ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں۔

مہدی ءِ موعود علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس صلاح سے مشرف کرکے جس اصلاح کا اہل بنانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے ، وہ مراد اللہ پوری ہونی ضروری تھی تاکہ بخوبی آشکارا ہو جائے کہ یہ اللہ کی اور اس کے خلیفہ مہدی ءِ موعودؑ کی لائی ہوئی قوم ہے۔

اس لئے آپؑ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے صرف آپؑ کی صحبت و تعلیمات سے کماحقہٗ مستفیض ہونا اور صرف اسی میں اُن کا انہماک و استغراق ، ضروریاتِ دین میں اہم ترین ضرورت تھی۔

قرآنِ مجید کی تلاوت کے بارے میں بھی ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس سے یہ مسئلہ اور صاف و روشن ہوجاتا ہے کیوں کہ قرآنِ مجید بھی سیاہی سے لکھا جاتا ہے۔

در کھانبیل پیش بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ' ملک بخن رضی اللہ عنہ' پرسید کہ فلاں کس قرآن بسیار خواند۔ چیزے از خواندان فایدہ می شود بعدہٗ بندگی میاں رضی اللہ عنہ' فرموند اگر قرآن را یتلونہ حق تلاوتہ می خواند ہم پردۂ نور میانِ بندہ و خدا می شود و از یادِ خدا پردۂ نور ہم دریدہ شود۔(انصاف نامہ)

ترجمہ :- کھانبیل (علاقہ گجرات) میں بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے ملک بخن رضی اللہ عنہٗ نے دریافت کیا کہ فلاں صاحب قرآن بہت پڑھتے ہیں ۔ اس سے کیا فایدہ ہوتا ہے ؟ بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا اگر قرآن کی تلاوت حسبِ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (قرآن کی تلاوت کرتے ہیں جیساکہ اس کی تلاوت کا حق ہے) کی جائے تو پردۂ نور ، نورِ خدا اور بندہ کے درمیان ظاہر ہوتا ہے اور خدا کی یاد سے جیساکہ ذکر کا حق ہے کی جائے تو پردۂ نور بھی اُٹھ جاتا ہے ۔ (یعنے فنا اور وصال کے مرتبہ پر فائز ہوجاتے ہیں) ۔

حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی تعلیم و صحبت کے صدقہ میں بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کو فنائے تام و دیدارِ ذاتی اور مسلمانِ تام کا مقام حاصل تھا اس لئے آپؓ نے اپنے تجربہ کی بنا پر یہ نازک نکتہ جواب میں بیان فرمایا ہے ۔ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اصل مقصودِ قرآن و رسولؐ " ذکر اللہ " سے حاصل ہوسکتا ہے ۔

اس تشریح سے ظاہر ہے کہ حدیثِ شریف کا منشاء اور فرمانِ مبارک کا منشاء ، ایک ایک خاص مسئلہ کی طرف رہبری کرنا ہے ، جو بجائے خود ضروری و لازمی ہیں ۔ کیوں کہ حدیثِ شریف میں " جہادِ اصغر " کا اور فرمانِ مبارک میں ، " جہادِ اکبر " کا بیان ہے ۔

لہٰذا ان دونوں فرامینِ مبارک میں تضاد یا تعارض کا شبہ ، بہرجہت غیر صحیح ہے ۔

اس کے قطعِ نظر ، اس فرمانِ امامنا علیہ السلام سے پڑھنا ، لکھنا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ، کیوں کہ خود آپؑ نے سلاطین کے نام دعوتِ مہدیت کے خطوط لکھے ہیں ۔ صحابہ کرامؓ سے مکاتب لکھوائے ہیں ۔ اور دینیات و تصوف کی بعض کتابیں ، پڑھنے کی ، بعض صحابہؓ کو اجازت دی ہے ۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہٗ نے " تبلیغِ مذہبِ مہدویہ " کے لئے اور مخالفین کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کی مدافعت کے لئے رسالے تحریر فرمائے ہیں ۔

دورِ صحابہؓ سے آج تک ، ہر دور میں کتابیں ، مکاتب ، رسائل و ملفوظات ، لکھنے کا سلسلہ جاری ہے ۔ اگر اس فرمانِ امامنا علیہ السلام سے پڑھنے ، لکھنے کی بھی مطلقاً ممانعت مراد ہوتی تو قومِ مہدویہ میں کسی کتاب یا کسی رسالہ یا کسی تحریر کی نظیر پائی جانی محال ہوتی ۔ اور آج مہدویوں کے لئے پڑھنا ، لکھنا قطعاً جائز نہ رہتا ۔

بعض علمائے عصر نے حضرت مہدی علیہ السلام سے چند سوالات کئے تھے اُن میں سے ایک سوال و جواب درج کیا جاتا ہے۔

باز گفتند که شمارا علم خواندن ہم منع می کنید؟ حضرت مہدی علیہ السلام فرمودند که بنده تابعِ محمد رسول الله ﷺ است۔ آنچه حضرت رسول الله ﷺ منع نه کرده باشند بنده چگونه منع کند۔ بنده ذکرِ دوام فرض می گوید بامرالله و بحکمِ کتاب الله ہرچه مانع ذکر است آن ممنوع است۔ چه علم خواندن و چه کسب کردن و چه مشغول شدن وچه خوردن و خپیدن غفلت حرام است و ہرچه موجبِ غفلت است حرام است۔

(نقلیاتِ میاں عبد الرشید رضی الله عنه' و انصاف نامه وغیره)

ترجمہ :- علماء نے پھر سوال کیا کہ کیا آپؑ علم پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں ؟ حضرت مہدی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تابع ہے جو کچھ حضرت رسول اللہ ﷺ نے منع نہ کیا ہو ، بندہ کیسے منع کرے گا۔ بندہ ، اللہ کے (بلاواسطہ) حکم سے اور اللہ کی کتاب (قرآن) کے حکم سے ذکرِ دوام "فرض" کہتا ہے جو کچھ ذکر کا مانع ہو، وہ ممنوع ہے۔ خواہ علم پڑھنا ، اور کسب کرنا ، خواہ لوگوں سے میل جول رکھنا اور کاروبار میں مشغول ہونا ، خواہ کھانا و سونا ہو ، (بہرحال) غفلت حرام ہے۔ اور جو کچھ غفلت کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے۔

اس فرمانِ مبارک سے ہدایتاً روشن ہورہا ہے کہ طلبِ دیدارِ الٰہی کی دعوت ، بعثتِ حضرت مہدی علیہ السلام کا بنیادی سبب ہے۔ اس لئے آپؑ کے احکام و تعلیمات کا تعلق ، بحکمِ خدا ، اِسی طلبِ دیدارِ الٰہی اور عشق و محبتِ الٰہی سے ہے۔ آپؑ نے قرآن و رسولؐ کی تعلیم عشق و محبتِ الٰہی کے مطابق ، خدا کے بلاواسطہ حکم سے طلبِ دیدارِ خدا کی شرائط فرض فرمائی ہیں ، جن میں "ذکرِ دوام" بھی ایک فرضِ ولایت ہے۔

اس لئے آپؑ نے اُس سبب سے بھی باز رہنے کی تعلیم فرمائی جو اُس فرض سے غفلت کا باعث ہو۔ لہٰذا نہ صرف حصولِ علم ، بلکہ کسب کرنا ، لوگوں سے میل جول رکھنا ، کاروبار میں مشغول ہونا ، کھانا ، سونا وغیرہ تمام ضروریاتِ زندگی ، اس طرح انجام پائیں کہ اللہ کے ذکر سے غفلت نہ ہونے پائے۔ کسی مشغلہ میں خواہ وہ شرعاً جائز ہی کیوں نہ ہو ، اس قدر انہماک کہ باعثِ غفلت ہو جائے تو وہ مشغلہ غفلت ناجائز قرار پائے گا۔ اور قلوب کی تاریکیوں کا موجب ہوگا۔ اور فرمانِ مبارک سے صاف واضح ہے کہ یہ فرضِ ذکر صرف تارک الدنیا سے مخصوص نہیں ہے۔

سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیر او

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است (حضرت سعدی)

حضرت امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاالعلوم" میں علمِ دین کی تقسیم و تشریح جو بیان فرمائی ہے، ذیل کے نقشہ سے سمجھی جاسکتی ہے:

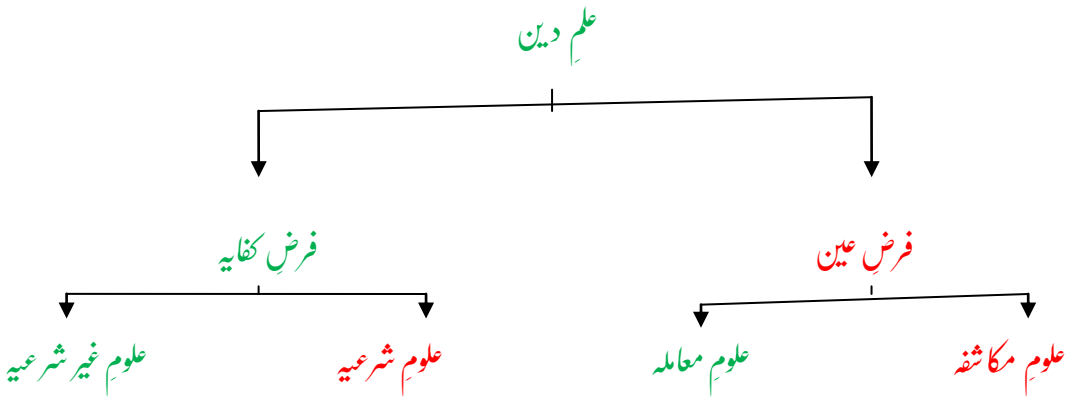

نوٹ: اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، نقلیاتِ بندگی میاں عبدالرشید کی توضیحات از صفحہ 126-139

علومِ معاملہ کا تعلق، علومِ مکاشفہ ہی سے ہے۔ اس لئے ان علوم کو بھی فرضِ عین میں شمار کیا گیا ہے۔ علمِ دین کی ایک شق، علومِ غیر شرعیہ سے مراد وہ علوم ہیں، جن کا جاننا، تدبیرِ شخص، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن کے لحاظ سے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے صنعت و حرفت، معاشیات، ریاضی، طب، سائنس، فلسفہ، سیاسیات وغیرہ علوم کی، انفرادی و اجتماعی زندگی کی متعدد نوعیتوں کے مسائل کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب فرضِ کفایہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ جن کا جاننا ہر فرد کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اور نہ ہر فرد اُن علوم کے جاننے کا اہل ہوتا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

العلم علمانِ علم الابدان و علم الادیان

ترجمہ :- علم دو ہیں۔ ابدان کا علم اور ادیان کا علم

غرض علومِ شرعیہ و غیر شرعیہ ، سب فرضِ کفایہ میں داخل ہیں۔ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے خدائے تعالٰی کے بلاواسطہ حکم سے اُسی علم کو فرض فرمایا ہے، جس کو صوفیہ کرام نے بھی قرآن واحادیث کی روشنی میں ہر فرد کے لئے ، فرضِ عین ، تسلیم کیا تھا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے قرآن و رسولؐ کی اتباع میں بہ حیثیتِ خلیفتہ اللہ بحکمِ خدائے تعالٰی طلبِ دیدارِ الٰہی ، ہر مرد و عورت کے لئے، فرض فرمایا ہے۔ ذکرِ دوام وغیرہ فرائضِ ولایت ، اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہیں۔ جو لوگ آپؑ کی تصدیق سے مشرف ہوچکے ، اُن میں کے ہر فرد پر بلا امتیاز ، فرض ہے کہ اس پر عمل کرے۔ اس "صلاح و اصلاح" کے اختیار کرنے کی ذمہ داری پوری قوم پر عاید ہوتی ہے۔قوم کے ہر فرد پر لازم ہوتا ہے کہ صورت کے اعتبار سے ، سیرت کے اعتبار سے ، عبادات و معاملات اور فرائضِ ولایت کے اعتبار سے بلحاظِ اتباع ، اپنی اپنی ذمہ داری کا جائزہ لے۔صرف دوسروں پر اعتراض وتنقید فرض سمجھ لینے اور" نظم و نثر" میں افسانوی فن کے مظاہروں سے ، جن میں بے حقیقت مبالغہ آرائی زیادہ ہوتی ہے، کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرد اور معاشرہ کی تنظیم کے لئے جن اعلٰی اُصول کی تعلیم دی ہے اُس کا بیان آگے آئے گا۔ ہر فردِ قوم ، کم ازکم جس حدتک جو جانتا ہے اُس پر عمل کے لئے کمربستہ ہوجائے تو آج بھی اِس قوم کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ بلکہ پوری دنیا کے لئے ہدایت و رہبری کا فرض، اس قوم سے انجام پا سکتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

حاصلِ کلام یہ کہ مذہبِ مہدویہ میں جہادِ اصغر کی شق ، جہاد باللسان و القلم کی بھی تعلیم موجود ہے جس کا ثبوت ، بیانِ قرآن کی اعلٰی خصوصیت اور تبلیغ و مدافعت کے اُصولی لٹریچر سے ہوسکتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالٰی نے قومِ مہدی ءِ موعودؑ کی صفات میں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ (اللہ کے راستے میں جہاد کرینگے) بھی فرمایا ہے، اس لئے مذہبِ مہدویہ میں ، جہاد بالنفس ہو یا جہاد بالسیف ، جہاد بالمال ہو یا جہاد باللسان و القلم ، جہاد کی ہر نوعیت کے احکام و مسائل ، عزیمت و عالیت کے معیار پر موجود ہیں۔

واضح ہوکہ بعض احکام پر عمل ، شرائط کے تابع ہوتا ہے ، جیسے کہ جہاد بالسیف کے احکام ہیں۔ ورنہ ہر فرد پر فرض ہوجائے گا کہ کلمہ پڑھکر داخلِ اسلام ہوتے ہی شمشیر بکف ہوکر مشرکین وکفار کا قتلِ عام شروع کردے۔ حالانکہ یہ نقلاً درست ہوسکتا ہے نہ عقلاً۔

اسی طرح ہر مہدوی پر ، تصدیق امامنا علیہ السلام سے مشرف ہوتے ہی ، جہاد بالسیف کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں ، مشرکین و کفار کا قتلِ عام کرنا ، فرض نہیں ہوجاتا۔ اسی لئے جہاد کی جس نوعیت پر ازروئے احکامِ دین ، عمل لازم ہو جاتا تھا ، اس پر بدجۂ کمال عمل ہوتا رہا ہے۔ جس کا ثبوت کتبِ سیر و تواریخ سے ہوسکتا ہے۔

لیکن "ہدیۂ مہدویہ" کے صفحہ (136) پر جو الزام عائد کیا گیا ہے ، ناظرین کی معلومات کے لئے اس کا خلاصہ نہایت افسوس کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:-

"حضرت مہدی علیہ السلام نے ابتدائے مہدیت سے تادمِ آخر نَعُوْذُ بِاللہ کبھی سنتِ جہاد پر عمل نہیں کیا۔ اور خلفاء نے بھی جہادِ کفار نہیں کیا۔ بلکہ حکامِ اسلام سے بغاوت کر کے مسلمانوں سے قتال و جدال برپا کیا۔"

جہاد بالقتال اور اس کے متعلقات کے احکام و شرائط کا اس سے پہلے جو تفصیلی بیان ہوا ہے ، اس کی روشنی میں اس غلط الزام سے ہر منصف مزاج ، صاحبِ فہم و صاحبِ علم پر واضح ہو جاتا ہے کہ محض غلبۂ عناد کی وجہ فہمِ رموزِ مہماتِ دین سے محرومی نصیب ہوئی ہے۔

"ہدیۂ مہدویہ" میں ایسے ہی بے بنیاد ، بے شمار الزامات و اعتراضات موجود ہیں ، جن کے بادلایل جوابات ، ماضی میں ضخیم جلدوں میں ادا ہوئے اور حال و مستقبل میں بھی اقتضائے زمانہ کے مطابق ، ارتقائے استدلال سے ادا ہوتے رہیں گے۔ یہ بھی ایک مذہبی بنیادی حق ہے ، جس کے ادا ہونے سے اہلِ مذہب کو معلومات کا اور اہلِ تحقیق کو حقیقی صورتحال کے علم کا فائدہ پہنچ سکتاہے۔

جس طرح کہ اسلام اور پیشوائے اسلام ، خاتم الانبیاء ﷺ کی شانِ مبارک میں عاید کئے گئے الزامات و اعتراضات کے جوابات ہر دور میں بر موقع ادا کئے جاتے رہے اسی طرح قیامت تک یہ مذہبی بنیادی حق بھی ادا ہوتا رہے گا۔

حسبِ آیۂ کریمہ ، قومِ مہدیِ موعودؑ کی صفات کے منجملہ ایک صفت "یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ" کا بیان جاری ہے۔ اس لئے اس ضمن میں وارد شدہ الزامات و اعتراضات کا تذکرۂ دفعیہ بھی ضروری ہوا تاکہ ناظرین کو مَالَ وَمَاعَلَیْہ سے واقفیت کا موقع ملے۔

" ہدیۂ مہدویہ " کے مذکورہ الزامات کو یا تو جہلِ مرکب کہا جاسکتا ہے یا معاندانہ ظلم و عدوان اور عمداً دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے والا عصیان ، کیوں کہ ولوبالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کوئی سبب یا کوئی شرط پائی جائے یا نہ پائی جائے ، جہاد بالسیف اختیار کرنا ، احکامِ اسلام کی خلاف ورزی میں داخل ہے ، تو یہی الزام خود مولفِ " ہدیۂ مہدویہ " پر اور تمام مسلمانوں پر بھی عاید ہوجائے گا۔

اکابرِ اولیائے کرام رحمہم اللہ مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ حضرت عبدالقادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے جہاد بالسیف اختیار کرنے کی کوئی روایت ، کسی تذکرۃ الاولیاء یا کسی مستند تاریخی کتاب میں نہیں ملتی ؟

حالانکہ مسلمان بادشاہوں کی کئی جنگیں ، راجاؤں وغیرہ ، غیر مسلم رؤسا سے ، مملکت کے لئے ہوتی رہی ہیں۔ بلکہ خود مسلمان بادشاہ ، دوسرے مسلمان بادشاہوں سے محض سیاسی بنیاد پر جنگ کرتے رہے ، وہ مسلمان بھی جو اُن افواج میں ملازم ہوتے تھے ، بہ حیثیتِ ملازم ، اُن جنگوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ لیکن یہ ثابت کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ جلیل القدر اولیائے کرام رحمہم اللہ نے اُن مملکتی سیاسی جنگوں کو " جہاد " قرار دیا ہو ، یا اپنے مریدوں کو ایسی جنگ میں " جہاد " سمجھ کر حصہ لینے کا حکم دیا ہو۔!!!

بلکہ اس کے بر خلاف ، غیر مسلموں کے ساتھ بھی اولیائے کرام رحمہم اللہ کا رواداری سلوک جو ہوتا تھا اور اس کی جو تاثیرات ہوتی تھیں ، محتاجِ بیان نہیں ، ماننا لازم ہو جاتا ہے کہ اولیائے کرام کا یہ طریقہ تبلیغ ، آئیہ " لااکراہ فی الدین " اور اُسوۂ رحمتہ للعالمین ﷺ و اُسوۂ صحابۂ کرامِ نبوت رضی اللہ عنہم کے کماحقہ ، اتباع کا مظہر تھا۔!!!

اکابرِ اولیائے کرام رحمہم اللہ ، عشق و محبتِ الٰہی کی تبلیغ فرماتے رہے اور تزکیہ و تصفیۂ نفس و قلب کے لئے ایسے طریقوں سے رہنمائی فرماتے رہے کہ " جہادِ اکبر " یعنے جہاد بالنفس کے اُن " علوم معاملہ " کے طفیل ، اس درجہ " اصلاح " ہوجائے کہ " علومِ مکاشفہ " کے انوار کی " صلاح " سے منور ہوسکیں ، جن کا حصول ہر مومن مرد و عورت کے لئے فرضِ عین ہے۔

اُن اولیائے کرام رحمہم اللہ کی شان میں بھی یہ گستاخی ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ قدسی صفات ہستیاں بھی " جہاد بالسیف " سے نَعُوذُ بِاللہ قاصر و محروم رہی ہیں۔!!! اس لئے کہ ازروئے ، شرائطِ شرعیہ ، جہاد بالسیف فرض ہوجانے کے حالات سے اُن بزرگوں کو بھی سابقہ نہیں ہوا تھا۔

" جہاد " کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ، اُن سے ظاہر ہوچکا کہ " جہاد بالسیف " فرض ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں۔

1- جو مقدس ہستیاں ، خلافتِ الٰہیہ پر فائز تھیں اور جن کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یا بلا واسطہ ، راست ذاتِ باری تعالیٰ سے احکام و تعلیمات کا شرف حاصل ہوتا تھا ، اُن ہستیوں پر جب ، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ، جہاد بالسیف ، فرض ہوجاتا تھا۔

2- جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں ، اُن پر جہاد بالسیف اُس وقت فرض ہوجاتا ہے جب کہ حالات پر جہاد کے احکام و شرائطِ شرعیہ کا اطلاق منطبق ہوجائے۔

اس اُصول کے مطابق ، خلیفتہ اللہ مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام پر " جہاد بالسیف " اُس وقت فرض ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ، اور مہدویوں پر اُس وقت فرض ہوگا جب کہ " جہاد بالسیف " کی ضرورت کا فتویٰ ہوجائے۔!!!!

نیز مہدوی ، اس فرض کی تعمیل کے لئے اپنی قومی و مذہبی ، انفرادی ، خصوصیت کو محدود ، رکھنا بھی اس موقع پر ضروری نہیں سمجھتے ، جب کبھی مسلمانوں کی جانب سے ازروئے احکامِ شرعیہ ، عَلَمِ جِہَادْ بلند ہو جائے ، ہرمہدوی اس میں حصہ لینا اور ہر ممکن ایثار کرنا، اپنا فرض قرار دے گا۔ اس سے بخوبی متبادر ہوسکتا ہے کہ مہدویوں کے لئے جہاد بالسیف کی تعمیل کا دائرہ کس قدر وسیع کیا گیا ہے۔ اور اس سے مذہبِ مہدویہ میں " يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ " کی جو شانِ عظمت عیاں ہو رہی ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں رہی۔!

حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور اکابرِ مہدویہ رحمتہ اللہ علیہم پر حکامِ اسلام سے بغاوت کرنے اور مسلمانوں سے قتال و جدال برپا کرنے کا الزام بھی سراپا بے بنیاد ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی حکومت پر جب تک حکومتِ اسلامیہ ہونے کا اطلاق شرعاً درست نہ ہو ، اس حکومت کے حاکموں کو ، " حکامِ اسلام " کہنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ البتہ مسلمان حاکم کہا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی دور کی حکومتِ وقت سے مہدویوں کی بغاوت کا کوئی تاریخی واقعہ ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بغاوت کا الزام ہی سراسر اِفترا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مہدویوں کے خلاف ، قتل کے باطل فتوئے جاری کئے جا رہے ہوں اور مسلم حکومتوں میں رسوخ و اقتدار حاصل رہنے کے زعم میں ناحق ، طاغوتی طاقت کے مظاہرے کئے جارہے ہوں ، قید کیا جا رہا ہو ، قتل و غارت گری کی جا رہی ہو، مساجد اور بستیاں برباد کی جارہی ہوں ، فوج کشی کی جارہی ہو ، دیوار میں زندہ چنوا دیا جا رہا ہو، کوے کے پنجوں کی شکل کی سیخیں گرم کرکے پیشانیوں کو داغ کر شہید کیا جا رہا ہو ، جبر و استبداد کے ہر ممکن طریقوں سے مہدویوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہو ، مذہبی آزادی کا بنیادی حق نہایت ہی ظالمانہ طریقوں سے تلف کیا جا رہا ہو ، تو ایسی صورتوں میں حتی المقدور مدافعت ، از روئے احکامِ اسلام لازم ہو جاتی ہے۔ اس افسوسناک تاریخ کا تاریک ترین پہلو تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ، مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں ہی میں ، مسلمان حاکموں سے دنیا دار علماء و قاضیوں کے اشاروں پر ہوتا رہا۔

جب کہ قرآنِ مجید میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر مظالم کی مدافعت کرنے کا صاف و صریح حکم موجود ہے ، تو " سَدَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ" کی ان صورتوں میں ہر ممکن مدافعت ، بدرجۂ اولیٰ فرض ہو جاتی ہے۔ اس مدافعت کو بغاوت سے تعبیر کرنا ، رموزِ مہماتِ دین سے ناواقفیت اور محض عصبیتِ جاہلیہ کی بین دلیل ہے۔

سیرت و تاریخ کی قومی کتابوں کے علاوہ دوسرے مورخین کے بیانات سے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تعلیمات کے طفیل آپؑ کے صحابہؓ و تابعین وغیرہم رحمہم اللہ نے انتہائی مشکل صورتوں میں بھی نہایت ہی

جراءت و شجاعت اور نہایت ہی ارفع و اعلیٰ صبر و استقامت سے احکامِ دین کی پابندی فرمائی ہے۔ اور یہ سب متوکل علی اللہ تھے۔ زر و دولت سے ملوث اور ناحق جنگ یا بغاوت کے لئے اسبابِ حرب سے مسلح نہیں رہتے تھے۔ فقر و فاقہ اور ہجرت کی زندگی تھی۔ دن اور رات کا کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خالی نہ گزرتا تھا۔ مقصودِ عبادت و ریاضت ، اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طلب کے سوائے کچھ نہ تھا ، صرف اللہ سے کام تھا ، ماسوی اللہ سے سروکار نہ تھا۔ اور اسی سبیل اللہ و الخاتمینؑ کی رہنمائی سے دوسروں کو مشرف کرنے کا فرض بھی انجام دے رہے تھے۔

امن و رحمت کی حامل ایسی باخدا جماعت پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ اللہ کی پناہ! ایسے ناقابلِ برداشت مظالم کی صورت میں بھی دولتِ ایمان کی جس طرح حفاظت کی گئی ہے ، قومِ مہدیٔ موعودؑ کی صفتِ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ

(مومنین پر نرم اور کافروں پر غالب رہیں گے) کے بیان میں مختصراً اس سے قبل اس کا ذکر کیا جا چکا ہے ، جو منصف مزاج اور تحقیق کی طلب والے ناظرین کے لئے کافی ہے۔

انتہا یہ ہے کہ فوج کشی کی مدافعت ، جنگ سے کرنے کا موقع ہوا تو ، ایسے مشکل ترین حالات میں بھی " آدابِ جنگ " کے متعلق احکامِ اسلام کی پابندی میں حتیٰ کہ جنگ میں پہل نہ کرنے کی اسلامی اہم خصوصت کی پابندی میں بھی سرِ مو فرق نہیں آنے پایا۔

چنانچہ حضرت سید خوند میر رضی اللہ عنہٗ نے حملہ آور افواج کے مقابلہ میں اپنی طرف سے پہل نہ ہونے کی احتیاط کے لئے آخری اتمامِ حجت کی خاطر ، میدانِ جنگ میں دشمن کی صفوں کے مقابل سے اپنے گھوڑے کا رخ بھی پھیر دیا تھا۔!!!

ایسی عدیم المثال ، بدیہی شہادت کے بعد ، بغاوت کا الزام غلط اور محض افترا ثابت کرنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہی۔

بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آپؑ نے مدافعت کے اقدام کا فیصلہ کرنے سے قبل ، مسلمانانِ بادشاہِ وقت کی حکومت میں رسوخ و اقتدار کے حصہ دار ، مہدویوں کے قتل کا فتویٰ نافذ کرنے اور قتل کروانے والے علماء ہی سے اس کے خلاف فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جس کی تفصیلات قومی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ناظرین کی واقفیت کے لئے صرف ایک مکتوب کا ترجمہ ملحضاً درج کیا جاتا ہے جو " شیخ الاسلام " کا عہدہ رکھنے والے ملا سید کبیر کے نام حضرت سید خوند میر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے روانہ فرمایا تھا۔

مکتوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ۔

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ۙ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ۙ (سورۃ الحج) 39-40

ترجمہ :- یعنے اُن لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے کیوں کہ وہ ظلم کئے گئے ہیں۔ اور بے شک اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ محض اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض کے ظلم کو بعض سے دفع نہ کرتا تو صومے ، گرجے ، معابد اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر ، کثرت سے کیا جاتا ہے مسمار کردیئے جاتے ۔ اور البتہ اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے ، بے شک اللہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

اس آیت کا مطلب تفسیر کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ اور اہلِ باطن کے قلوب پر بھی منکشف اور واضح ہوچکا ہے ، اس لئے تفسیر نہیں کی گئی ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالٰی نے اس آیت کو مومنین کے دلوں کی تسلی کے لئے نازل فرمایا ہے۔کیوں کہ وہ کمزور اور تعداد میں کم تھے ، اس لئے کافروں کے پنجۂ ظلم سے مومنین کو امن و سکون حاصل نہیں تھا۔ ظالموں کی اذیتوں میں ہمیشہ مبتلا رہتے تھے۔ حتٰی کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اللہ تعالٰی کے فرمان " اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ " میں خاص طور پر اُن مومنوں کی نصرت کی بشارت دی گئی ہے جن پر ناحق اور ناواجبی سختیاں اس لئے عاید کی گئی تھیں کہ وہ یہی کہتے تھے کہ " رَبُّنَا اللّٰہُ " اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اور اُن کا تصور یہی تھا کہ اس مقامِ توحید پر قولاً ، فعلاً و اعتقاداً ثابت قدم تھے۔

حاصل یہ کہ اللہ سبحانہٗ تعالٰی نے خاص طور پر اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی مظلومیت کی وجہ سے ان کی نصرت کا وعدہ فرمایا، جو اُن کے حق میں پورا ہوا۔ پس قرآنِ مجید ، فرقانِ حمید سے معلوم ہوا کہ صدقہ خوارانِ رسول ﷺ نے جن کو اپنی مظلومیت کا سامنا ہو ، اور ناحق ، اقسام کی اذیتوں میں مبتلا ہوں وہ بھی اللہ تعالٰی کے اس وعدہ کے امیدوار رہیں گے۔اگرچہ کہ یہ وعدہ خاص اصحابِ رسول ﷺ کے حق میں ہوا ہے۔ لیکن تبعاً تمام مومنین کے حق میں بھی یہ وعدہ پورا ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم بھی امیدوار ہیں کہ اللہ تعالٰی ہمارا بھی مظلوموں میں شمار کرے گا۔ اور ہم کو بھی اہلِ نصرت میں شامل فرمائے گا۔

معلوم ہو کہ جس روز سے حضرت سید محمد مہدی علیہ السلام نے خلایق کو خدا کی طرف بلایا ، خلایق سے جو لوگ آپؑ کے دشمن ہوگئے ، اُن سے حضرتؑ نے یہی فرمایا کہ مخالفت کا سبب کیا ہے معلوم نہ ہوسکا کیوں کہ اگر میں غلطی پر ہوں ، تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ بحکم اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ--- (سورۃ الحجرٰت) 10 (بے شک مومنین آپس میں بھائی ہیں) باہم متفق ہوکر کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں جس طرح کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ---- الخ (سورۃ النساء)59

(اگر تم میں کسی مسئلہ میں باہم اختلاف واقع ہوجائے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کردو۔) پس ہم دونوں فریق سے جو کوئی کتابِ خدا و اتباعِ رسولِ خدا سے باہر ہو، اُسے توبہ کا حکم دیں۔ اور اگر وہ اپنی بات پر اڑ جائے تو واجب القتل ہے۔

آج پچیس سال سے حضرت سید محمد مہدی ءِ موعود علیہ السلام اور آپؑ کی پیروی کرنے والے یہی کہہ رہے ہیں کہ مسلمانو! اگر ہم میں کوئی شرعی قصور (جس سے ایمان میں خلل واقع ہو) پاؤ تو منصفانہ علمی جہت سے ہم کو قایل معقول کرو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو تم خدائے تعالٰی کے پاس ماخوذ ہوں گے۔ آج تک کسی نے ہم کو "علمی بحث یا دلیل" سے قایل معقول نہیں کیا۔ ہاں البتہ یہ تو ہوتا ہے کہ سلطنت کے قاہرانہ غلبہ سے صرف عوام موذیوں کے روبرو ہم پر بدعت، گمراہی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض کو اخراج اور بعض کو اقسام کی ایذ و تکلیف دی جاتی ہے۔ تمہارے اس طرزِ عمل کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ کوئی انصاف کرنے والا نہیں، تمہارے ظلم کا یہاں تک غلو ہوگیا ہے کہ ہم پر بدعت و ضلالت اور اخراج و قتل کے فتاویٰ لکھ لکھ کر بادشاہوں کو بھجوائے اور وہاں سے فوج منگوا کر ہماری مسجد و مکانوں کو جلا کر خاکِ سیاہ کردیا۔ ایسی صورت میں ہم کو بھی مظلوموں کی یاری و مدد گاری، تمہارے ہی فتویٰ کے مطابق (جو کہ تم نے ہمارے استفتاء کے جواب میں دیا ہے) بحکم يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَاللّٰهِ ------- الخ (سورۃ الصف) 14 (اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ) لازم ہے۔ اور ہم نے تمہارے دستخطی فتویٰ کے مطابق، موذیوں کا قتل کرنا، تعمیلاً اختیار کیا ہے۔

ہم کو نہ مال سے کام ہے نہ ملک سے۔۔ جو شخص بے وجہ ہمارے قتل کا فتویٰ دیتا ہے، اُس کو قتل کریں گے۔ ہم اس سے پہلے بھی تم کو تحریری اطلاع دے چکے ہیں کہ تم ظالموں کے مانع ہو جاؤ اور اُن کو ظلم سے روکدو۔ لیکن تم نے اس کی کچھ بھی پروا بھی نہیں کی۔ اب اس وقت بھی ہم کہتے ہیں کہ ظالموں کو ظلم کرنے سے روکدو۔ ورنہ ہم پر لازم ہوگیا ہے کہ مظلوموں کی مدد کریں اور اپنی جان خدا کی راہ میں دے دیں۔ والسلام"

یہ خط اپنے خلیفۂ خاص حضرت بندگی ملک الٰہداد رضی اللہ عنہٗ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ اس سے عدل و انصاف کی صراطِ مستقیم اختیار کرنے کی بجائے، بہت بڑے پیمانہ پر ظلم و عدوان کے منصوبے بنائے گئے۔

بدلتی ہے جس وقت ظالم کی نیت

نہیں کام آتی دلیل اور حجت

گجرات کے نوجوان اور ناتجربہ کار بادشاہِ وقت ظفر کو ورغلایا گیاکہ سید خوندمیرؒ نے بہت بڑی قوت پیدا کرلی ہے۔ بادشاہ کو لازم ہے فوراً اُن کو قتل و تاراج کردے۔ مہدویوں کا نام ونشان مٹادے۔ ورنہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی قوت اتنی بڑھ جائے گی کہ شاہی قلعے اُن کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ سلطنت ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ سن کر بادشاہ گھبرا گیا۔ اپنی افواج سے سپاہ گری کے ماہر اور تجربہ کار سپاہیوں کی منتخب فوج روانہ کرنے کا حکم دے دیا۔ جس میں مغفر و جوشن (فولادی ٹوپی اور زرہ) سے لیس، سولہ ہزار سوار اور ساز و سامانِ جنگ اور ہتیاروں سے مسلح ، چوبیس ہزار پیدل ، جن میں رومی آفریقی چست و چالاک جنگجو بھی شامل تھے۔ اٹھارہ جنگی ہاتھی اور توپوں کو بھی شامل رکھاگیا۔ اس کے علاوہ سینکڑوں مسلح عوام کا کثیر ہجوم بھی ساتھ ہوگیا تھا۔

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت سید خوندمیرؒ کے مکتوب سے مہدویوں کی مظلومیت اور آپؒ کی کسرِ نفسی و خدا پرستی عیاں ہورہی ہے۔ اور صاف واضح ہو رہا ہے کہ آپؒ نے مدافعت میں جو کچھ اقدام کیا ، غلبۂ نفسانی یا جوشِ غیض و غضبِ انسانی سے نہیں تھا۔ اور نہ مال و دولت کا حصول یا سلطنت کے اقتدار کے لئے بغاوت مقصود تھی۔ بلکہ بے انتہا ظلم کی وجہ سے اتمامِ حجت کے طور پر اُن علماء ہی سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد مدافعتی اقدام کا فیصلہ کیا ہے۔

اسی طرح غیر مسلم مشرکین وکفار کے مقابلہ کے لئے بھی اگر جہاد بالسیف کے حالات و اسباب پیدا ہوجاتے یا فتویٰ جاری کیا جاتا کہ مشرکین و کفار سے جہاد فرض ہوگیا ہے ، اور عَلَمِ جِہَادُ مسلمانوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو ، بلند کردیا گیا ہوتا تو یقیناً بالضرور ، اس جہاد میں بھی بدرجۂ کمال ، اپنا حصہ ادا کیا جاتا۔

لہٰذا مشرکین وکفار سے جہاد بالسیف نہ کرنے کا مہدویوں پر الزام عاید کرنا بھی جہادِ اسلامی کے احکام کے لفظاً و معناً ، قطعاً مغائیر و منافی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ امامنا علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کی مخالفت میں ناحق الزامات عاید کر کے عوام کے خیالات گمراہ کرنے کی عمداً ، عناداً کوشش کی گئی ہے۔

حالانکہ آیات و احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے کہ جس طرح کسی حد سے زیادہ تعریف و توصیف اور خود غرضانہ و خوشامدانہ مداحی، اخلاقِ اسلام میں صدق و تقویٰ کے صریحاً خلاف ہے ، اسی طرح طعن و تشنیع و تہزو ، ہزل و ہجو و افترا اور محض بغض و عداوت کے جذبۂ نفسانیت میں دوسروں کو کسی کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا کر دینے کی بھی سخت ممانعت ہے۔ اللہ و رسولؐ نے ایسی بداخلاقیوں کو تقویٰ و صادقیت کے بالکل خلاف قرار دیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط قف هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (سورة المآئدة) 8

ترجمہ :۔کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر نہ اُکسا دے کہ تم اس کے باب میں عدل سے ہٹ جاؤ۔ تم انصاف پر قائم رہو۔ یہی بات تقویٰ سے قریب ترین ہے ۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تین لاکھ مریدیں تھے۔ دوسرے کثیر التعداد جلیل القدر صحابۂ مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے بھی ہزاروں مریدیں تھے۔جن میں علماء و رؤسا ، مقربینِ دربارِ سلطانی ، سیول اور فوج کے بڑے بڑے عہدہ دار اور ہزارہا نامور سپاہی وغیرہ سب ہی تھے۔ مادی اعتبار سے اتنی عظیم طاقت رکھنے والی شخصیت ، اگر سیاسی غلبہ چاہتی یا بغاوت پر آمادہ ہوجاتی تو جنگ کا نقشہ کیا ہوتا ؟ اور تاریخ میں کس کارنامہ کی یادگار رہ جاتی ؟ اہلِ نظر بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔

یہاں تو حسن قبیح عقلی پر نہیں بلکہ حسن و قبح دینی پر عمل تھا۔ یعنے کسی کام کو اچھا یا برا قرار دینے کا معیار محض عقل یا نفس نہیں بلکہ صرف احکامِ دین تھا۔

شریعتِ محمدیہ اور تعلیماتِ مہدی علیہ السلام میں جس کام کا حکم موجود ہوتا اُسی کو اچھا اور جس کام کو برا قرار دیا گیا ہو اُسی کو برا سمجھتے تھے۔

حضرت سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر جو اس سے قبل پیش کیا جاچکا ہے، اس کے مطابق عمل تھا کہ۔

بے حکمِ شرع آب خوردن خطا ست

وگر خوں بفتویٰ بریزی روا ست

یعنے شرع کے حکم کے خلاف پانی پینا بھی خطا ہے۔ اگر شرع کے حکم سے خون کرنے کا فتویٰ ہو جائے تو خون ریزی روا ہے۔

مہدی ءِ موعود علیہ السلام کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ، بحورِ عشقِ الٰہی کے غواص اور میدانِ صبر و رضائے الٰہی کے شہسوار تھے ، جذبۂ نفسایت یا نفسِ امارہ کو دخل در دینیات سے باز رکھنے میں کمالِ قدرت رکھتے تھے۔ صلاح و اصلاح کے سوائے کوئی اور مقصودِ زندگی نہیں تھا۔ اس لئے اُن پاکانِ خدا سے احکامِ جہاد کی خلاف ورزی ، نفسِ امارہ اور غیض و غضب کا ظہور ہرگز ممکن نہیں۔

(اخبار دعوت دہلی سہ روزہ مورخہ 19/ رمضان 1387ھ مطابق 22/ ڈسمبر 1967 میں "گجرات میں مہدوی تحریک" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے ، اُس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار سے خلافِ واقعہ باتیں عمداً درج نہیں کی ہیں۔ بلکہ صحیح مواد کی فراہمی میں ناکامیاں اور استخراجِ نتائج میں خامیاں، ان غلطیوں کا بنیادی سبب ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ "صلاح و اصلاح" کی احکامِ جہاد کی گزشتہ سات اقساط سے اور اس قسط (19) سے اُس مضمونِ مذکورالصدر کی مندرجہ کئی باتیں صاف ہوجاتی ہیں۔ انشاءاللہ تعالٰی آیندہ اقساط میں مزید خلافِ واقعہ باتیں صاف ہوں گی۔ تخمیناً 24 / سال قبل کی مشہور و معروف شخصیت نواب بہادرِ یار جنگ مرحوم کے متعلق غلط معلومات اس مضمون میں درج ہیں اس لئے پانچ سو سال قبل کی واقعہ نگاری ، معیارِ تحقیق پر پوری نہ اترنا، کوئی تعجب کے قابل بات نہیں۔ اس لئے مقالہ نگار صاحب کا راست جواب غیرضروری سمجھا گیا۔

مقامِ غور ہے بلکہ مقامِ عبرت ہے کہ سرکاری عظیم فوج حملہ آور ہونے کی اطلاعات آپ کو برابر مل رہی تھیں ، اس کے باوجود آپ کے اطمینان اور ملکہ ءِ وقار و سکینہ کا یہ عالم تھا کہ مدافعت کے لئے اپنے ہی دائرہ کی حدود میں صرف انہی ساٹھ (60)

عدد سواروں کو کافی قرار دیا۔۔۔۔جو بے سروسامان اور متوکلین علی اللہ ، طالبانِ خدا فقراء تھے۔

اس سے ہر انصاف پسند آدمی فیصلہ کرسکتا ہے کہ بغاوت کا منصوبہ رکھنے کی یہ صورت قطعاً نہیں ہوسکتی ۔ نہایت واضح اور بدیہی دلیل تو یہ ہے کہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے ابتداً میدانِ جنگ میں گھوڑوں کا منہ جو پھیر لیا تھا ، دشمن افواج کی مادی برتری کے احساس سے نہیں بلکہ اس نوبت پر بھی آپ ، اپنی بے گناہی کی حجت آخری دفع پوری کردینا چاہتے تھے اور جنگ میں پہل نہ کرنے کا منشاءِ خداوندی ، آئیہ کریمہ وَ قَا تِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْ نَکُمْ ۔۔۔الخ (سورۃ البقرہ) 190 (یعنے جو لوگ تم سے جنگ کریں اللہ کے راستہ میں تم اُن سے جنگ کرو) سے جو ظاہر ہوتا ہے اُس کی کماحقہ تکمیل مقصود تھی ۔ تاکہ عندالناس بھی اپنی مظلومیت آشکار ہو جائے اور معلوم ہوجائے کہ ہم ناحق قتل و خون نہیں چاہتے ہیں۔ ہم تو ۔۔۔۔۔۔ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سورۃ النسآء) 167 بننے سے باز رہنے کی طرف مسلسل آگاہ کر رہے ہیں۔۔۔!

حقیقت تو یہ ہے کہ اس واقعہ کا راز ہی حضرت مہدی علیہ السلام کی صداقتِ مہدیت کا ثبوت ہوتا ہے ۔ اور جنگِ بدر کے اعجاز کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس ضمن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے دو فرامینِ مبارک کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔:-

فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقَاتِلُوْا وَ قُتِلُوْا (سورۃ اٰل عمران)195

ترجمہ :- جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستہ میں اذیت دیئے گئے اور قتل کئے اور قتل کئے گئے۔

آئیہ شریفہ کی مذکورہ چار صفات مومنین کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ اس کے ضمن میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کی۔

(1) یا اللہ ! چوتھی صفت جو باقی رہ گئی ہے اگر مجھ پر پوری ہوجائے تو اس کے لئے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ اے سید محمد ! ہمارے علمِ ازلی میں یہ ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء پر کوئی شخص قادر نہ ہو۔ اور تلوار کارگر نہ ہو۔پس ہم نے تجھ کو خاتمِ محمدیؐ بنایا ہے۔ اس لئے ہم نے ترا بدل سید خوندمیرؓ کو قرار دیا ہے۔ اِسی بنا پر حضرت امام علیہ السلام نے میاں سید خوندمیرؓ سے فرمایاکہ یہ کام تم سے ہونے والا ہے۔ (مطلع الولایت ، تاریخ سلیمانی جلد 2 وغیرہ)

(2) حضرت مہدی علیہ السلام نے حضرت سید خوندمیرؓ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:-

" اللہ تعالٰی جو سمیع و بصیر و علیمِ حقیقی ہے تم کو (سید خوندمیر کو) لایق اور قابل بناکر یہ بارِ ولایت تم پر رکھا ہے۔ لیکن ہشیار رہو کیونکہ یہ ولایتِ محمدؐیہ کا بار ہے۔ سر جائے گا۔ کمر ٹوٹے گی۔ پوست کھینچا جائے گا۔ اُس وقت صرف اپنے خدا ہی سے مدد چاہنا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر اُس (جنگ کے) روز تم اپنی ذات سے تنہا ایک طرف ہو۔ اور تمام دنیا (تمہارے مقابلے میں) دوسری طرف ہو تو انشاء اللہ تعالٰی! تمہاری ایک ذات کے مقابلہ میں یہ سب ہزیمت اٹھائیں گے۔ یہ میری " مہدیت کا معجزہ ہے"۔ جیسا کہ جنگِ بدر، نبوتِ پیغمبرﷺ کا معجزہ تھی۔

" نورِ حیات " جلد 3/ شمارہ 11/، 12/ ماہِ سپٹمبر و اکٹوبر 1964 میں " مغیبات " کی چھٹی و آخری قسط میں ہم نے اُن روایات کی ضروری اور اہم توضیحات بیان کی ہیں۔ اس لئے اُن کا اعادہ موجبِ طوالت ہوگا۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کو ان فرامینِ واجب الایمان والاذعان پر یقینِ کامل تھا۔ کیوں کہ امام علیہ السلام نے یہ نکتہ بھی واضح فرما دیا تھا کہ اُس " معرکۂ بدرِ ولایت " میں تمہاری حیثیت اِس بندہ کے بدل کی ہوگی۔ اور بندگی میاںؑ نے فراہِ مبارک علاقۂ خراسان میں دیکھ بھی لیا تھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کو کس قدر غیبی طاقت حاصل تھی۔ چنانچہ تفصیلی روایت جو اکثر صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے، اُس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

" حاکمِ فراہ میر ذوالنون نے شوکتِ سلطنت و دبدبۂ لشکر کے ساتھ آپؑ کے دعوئے مہدیت کی تحقیق کے لئے آپؑ کے دائرہ معلٰی (نوٹ:- تنظیمِ دائرۂ مہدیت کی تعمیر کی خمیر میں شامل تھی۔ اس لئے مہدیءِ موعودؑ کے عہدِ مبارک ہی سے دائرہ بندی جاری تھی۔ یہ کہنا کہ حکومت اور ظالموں کے جبر و استبداد کی وجہ سے خوف یا شکست خوردہ ذہنیت کے باعث مہدویوں نے دنیا سے کٹ کر دائروں میں اپنی زندگی محدود کرلی تھی۔ تاریخ مہدویہ کے حقایق سے نا واقفیت پر مبنی ہے۔!!) میں فوج کے محاصرہ کے بعد قدم رکھا تو پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ لیا کہ غلبہ و دبدبۂ سلطنت کا آپؑ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بیانِ قرآن کی مجلس تھی۔ بیانِ مبارک میں کوئی خلل یا فرق نہیں ہوا۔ حاضرین اس قدر انہماک و استغراق سے بیانِ قرآن سماعت کر رہے تھے کہ کسی نے بھی میر ذوالنون کے جیسے صاحبِ دبدبہ حاکمِ اعلٰی کی آمد کی طرف توجہ نہیں کی۔ سرکاری ملازمین، حاضرینِ مجلس کو

ہٹا کر راستہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تاکہ میر ذوالنون کو حضرتؑ کے قریب پہنچ کر بیانِ قرآن سننے کا موقع ملے۔ مہدی علیہ السلام نے یہ دیکھ کی ارشاد فرمایا: " میر ذوالنون! جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ میر ذوالنون وہیں بیٹھ گئے۔

ختمِ بیان کے بعد میر ذوالنون قریب ہوئے۔ دعوئے مہدیت کے بارے میں تحقیق کی ہر طرح مطمئن ہونے کے بعد آخری دلیل یہ قرار دی کہ مہدیٔ موعودؑ پر تلوار اثر نہیں کر سکتی۔ امامنا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تلوار کا کام کاٹنا ہے۔ پانی کا کام ڈبونا ہے، آگ کا کام جلانا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ مہدیٔ موعود پر دنیا کی کوئی قوت غالب نہیں آسکتی۔ چاہتے ہو تو آزما لو۔

میر ذوالنون نے تلوار بے نیام کر لی۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنے باڈی گارڈ حبشی کو حکم دیا کہ تلوار چلائے۔ جب تلوار کا ہاتھ بلند ہوا تو غیبی طاقت سے ہاتھ بلند کا بلند ہی رہ گیا۔ وار کرنے پر قدرت نہ ہو سکی۔ تین بار کی کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ اس موقع پر میر ذوالنون اور علماء عوام کی کثیر تعداد نے آپؑ کی تصدیق و بیعت کا شرف حاصل کیا۔

اطاعت قبول کرنے کے بعد حضرت میر ذوالنون نے عرض کیا جو کوئی بھی مہدیٔ موعودؑ کی مخالفت کرے گا بندہ تلوار کے زور سے اس کا خاتمہ کرے گا۔ ہر ممکن طریقہ سے مہدیٔ موعودؑ کی تائید و نصرت کرے گا۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ میر ذوالنون! مہدی اور دینِ مہدی کا ناصرِ حقیقی تو صرف خدا ہی ہے۔ تم اپنے نفس پر تلوار چلاؤ تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کردے۔ خدا کا مقرب بندہ بن سکو اور انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کے دیدار سے مشرف ہو سکو۔"
اگر آپؑ مہدیٔ موعودؑ برحق نہ ہوتے، تائیدِ غیبی آپؑ کے ساتھ نہ ہوتی تو آپؑ اس عظیم مادی طاقت کا سہارا لینے سے دریغ نہ فرماتے۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد حضرت سید خوند میر رضی اللہ عنہٗ سیاسی غلبہ یا ناحق قتل و خون یا بغاوت کا طریقہ کیسے اختیار فرما سکتے ہیں؟ ہاں آپؑ کو یقینِ تام تھا کہ اگر میدانِ جنگ سے سابقہ ہو تو پہلے روز ضرور فتح حاصل ہوگی، خواہ کتنی ہی عظیم طاقت کا سامنا کرنا پڑے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ بی بی خونزا رضی اللہ عنہا نے حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے کہا کہ فقراء بے سروسامان اور فقر و فاقہ میں زندگی گزارنے والے ہیں۔ ان کو میدانِ جنگ کا تجربہ بھی نہیں ہے۔ ان سے سرکاری افواج کی مدافعت کیسے ہوسکے گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا میرے مہدیٔ موعود علیہ السلام کے فرمانِ مبارک پر مجھ کو اتنا یقین و اعتقاد ہے کہ یہ تو انسان ہیں۔ اگر لکڑی کے پتلے بھی ساتھ ہوں تو مہدیٔ موعودؑ کے فرمان کے مطابق انشاء اللہ تعالٰی پہلے روز مجھے ضرور فتح ہوگی۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے یقینِ کامل اور اظہارِ حق اور اتمامِ حجت کی خاطر حکومت سے تعاون کا ایک عدیم المثال واقعہ ہے کہ :-

" ایک راجہ ، عظیم فوجی طاقت کے ساتھ سلطنتِ گجرات پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا حکومتِ گجرات کو اس کے بارے میں فکر و تشوش لاحق تھی۔ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے ایسے نازک وقت پر شاہی دربار میں اپنا پیام روانہ فرمایا کہ حکومت کو تشویش و تردد میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بندہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ راجہ کی افواج کو شکستِ فاش دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس فتح کو حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے دعوئے مہدیت کی صداقت کی دلیل تسلیم کیا جائے اور بلا تامل تصدیق سے مشرف ہونے کا عہد کیا جائے۔ اگر یہ شرط بادشاہ اور مدبرین و علماء و قاضی صاحبانِ دربار کو منظور ہے تو بندہ کو اس راجہ سے مقابلہ کی اجازت دی جائے۔"

لیکن جیسا کہ حضرت کو یقین تھا ، اُن علماء و قاضیوں نے اس چیلنج کا مطلب نوجوان ناتجربہ کار بادشاہ کو غلط سمجھا دیا۔ اور خود اس کی سلطنت کو خطرہ لاحق ہوجانے کے خوف و اندیشہ میں مبتلا کردیا۔ جب مہدویوں میں اتنا زور و زعم ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود سلطنتِ گجرات کو کس قدر خطرہ لاحق ہے۔ اس لئے مہدویوں کے جلد سے جلد استیصال کی اور اُن کے وجود کو نیست و نابود کردینے کی ضرورت ہے۔ اس بات پر اس قدر زور دیا گیا کہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے دائرہ معلٰی پر کثیر جرار افواج اور مسلح عوام کے ذریعہ حملہ کروا دیا گیا۔

ان حقایق کی روشنی میں صاف نظر آجاتا ہے کہ صِدَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اور ظلم و عدوان کی ، احکامِ قتال بالسیف کے تحت مدافعت کی گئی ہے۔ !!!!

چونکہ امام علیہ السلام نے پہلے دن کی جنگ کے بارے میں یہ نوید سنادی تھی کہ اس روز ضرور فتح ہوگی اور اس فتح کو اپنی مہدویت کا معجزہ قرار دیا تھا کہ "ایں آیتِ مہدیتِ من است" چونکہ جنگِ بدر حجتِ رسول ﷺ بود" اس ارشادِ مبارک کے بالکل مطابق معجزۂ مہدیت کا ظہور ہوا۔ بے سر و سامان متوکلین علی اللہ فقراء کے ساتھ آپؑ نے شاہی لشکر کو شکستِ فاش دی اور اس طاقتور عظیم فوج نے راہِ فرار اختیار کی ۔آپؑ کے رفقاء نے ڈیڑھ میل تک تعاقب کیا۔ ماشاء اللہ طاقتِ غیبی کا یہ عالم تھا کہ آپؑ کے ساتھیوں میں سے میدانِ جنگ میں ایک بھی شہید نہیں ہوا۔ البتہ زخمی ہوئے ہیں، خود حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی چشمِ مبارک میں میدانِ جنگ سے واپسی کے وقت ایک تیر گڑھ گیا تھا۔ تیر نکالا نہ جاسکا ویسے ہی پٹی باندھی گئی اس کے باوجود آپ وقت پر نمازیں ادا فرماتے رہے۔

مختصر یہ کہ دائرۂ معلٰی میں آپؑ مع رفقا واپس تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد ملک شرف الدین جاگیردارِ سدراسن ، اسی (80) سواروں کے ساتھ مدد کو پہنچ گئے ۔ ملک یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ ساٹھ فقراء کے ساتھ آپؑ فاتح و منصور ہوئے ہیں۔ اور خود اس سعادت سے محروم ہوجانے پر بے حد رنج و افسوس کرنے لگے۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا:-

ملک شرف الدین ! تمہارے دیر سے پہنچنے میں اللہ تعالٰی کی مصلحت تھی۔ ورنہ اس فتح کو تمہاری امداد کی طرف منسوب کیا جاتا۔ مہدیٔ موعودؑ کے معجزہ کا ثبوت مشکل ہوجاتا۔ اب دوبارہ جنگ ہو تو، دیکھ لوگے کہ تمہاری اس امداد کے باوجود ہماری شہادت پر جنگ ختم ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ خدائے تعالٰی کی طرف سے ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کوئی فوج یا دولت رکھنے والی شخصیت یا صحابیِ مہدیٔ موعودؑ کا درجہ رکھنے والی ہستی اس معرکۂ عظیم کے پہلے دن شریک نہ ہوسکی۔

حسبِ فرمانِ مہدیٔ موعود علیہ السلام، ناصرِ دینِ مہدیؑ یعنے خدائے تعالٰی ہی نے اس معجزۂ مہدیٔ موعودؑ کے ظہور کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں۔ قرآنِ مجید میں بھی صاف ارشاد موجود ہے:

مَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاتِیَ بِاٰ یَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط (سورۃ الرعد) 38 یعنے کسی رسول (نبی) کے لئے اللہ کے حکم کے بغیر معجزہ دکھانا ممکن نہیں ہے۔

اس تائیدِ غیبی کا مقصد یہی تھا کہ جو لوگ حضرت مہدی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ میں آپؑ کی مہدیت کی تصدیق سے مشرف نہ ہوئے ہوں ، اِس معجزہ کے ظہور کے بعد ان کے لئے مزید اتمامِ حجت ہوجائے۔ اس لئے کہ مہدیِ موعود علیہ السلام کی پیشین گوئی آپؑ کی وفات کے بیس (20) سال بعد من و عن منجانب اللہ پوری ہونا کوئی معمولی اعجاز نہیں ہے۔!!!

ایک دن کے وقفہ کے بعد منتشر شدہ فوج کو مجتمع کر کے 14/ شوال 930 ہجری کو پھر حملہ کر دیا گیا۔ اس جنگ میں حضرت مہدی علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی شہادت ہوگئی۔ سرِ مبارک ، سر کا پوست اور تنِ اطہر جدا جدا کئے گئے۔ قَضَی اللّٰہُ اَمْراً کَانَ مَفْعُولاً کی شان کا کامل ظہور ہوچکا۔ آج بھی گجرات کے علاقہ میں سدراسن ، پٹن اور چاپانیر میں آپؓ کی تین زیارت گاہیں موجود ہیں جن کے ذریعہ صداقتِ مہدیِ موعود علیہ السلام کا یہ عظیم معجزہ قیامت تک انسانی دنیا کو دعوتِ قبولیت دیتا رہے گا۔

واضح ہو کہ حضرت مہدیِ موعود علیہ السلام نے یہ پیشین گوئیاں بہ حیثیتِ خلیفۃ اللہ ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمائی تھیں۔ احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اس باب میں مبہم پیشین گوئیاں فرمائی تھیں۔ آپؐ نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس کا علم تھا۔ چنانچہ " غزوۂ ہند" کے متعلق "صحاح" میں "نسائی" کی حدیثِ شریف ہے۔:-

عن ابی ہریرۃ قال وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی و مالی فان اقتل کنت من افضل الشھداء و ان ارجع فانا ابو ھریرۃ المحرر

ترجمہ :- ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ہند کی جنگ کا وعدہ فرمایا۔ اگر میں اس کو پاؤں تو میں اپنی جان اور اپنا مال اس میں خرچ کروں گا۔ اور اگر شہید ہوجاؤں تو سب سے افضل شہداء میں داخل ہوں گا اور اگر زندہ لوٹوں تو میں ابوہریرہ ہوں جو جہنم کی آگ کے عذاب سے آزاد کردیا گیا۔

" غزوہ " اصطلاحاً اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس کا راست تعلق آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے رہا ہو۔ اس حدیثِ شریف کی صحت کے بارے میں بعض مہدوی حضرات نے حال میں دیوبند کے دارالافتاء سے استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب 27 / ذیقعدہ 1375 / ہجری کو ادا کیا گیا۔۔۔ جس میں اُن علماء نے اس حدیثِ شریف کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور اسلام میں " غزوہ " کی جو متعارف اصطلاح ہے ، بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ " اس حدیث کا اشارہ غالباً محمد بن قاسم کے اس حملہ کی طرف ہو ، جس نے ہندوستان کے صوبہ سندھ کی مغربی سرحد پر کیا تھا۔ " نیز اس فتویٰ میں رائے ظاہر کی گئی ہے کہ اس صورت میں " غزوہ " کے لغوی معنی مراد ہونگے۔ "

مقامِ غور ہے کہ مضمونِ حدیث سے اس جنگ کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے لئے " غزوہ " کی خاص اصطلاح یاد فرمائی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ نے اس غزوہ میں شریک ہونے کی بڑی آرزو ظاہر کی ہے اور اس جنگ کو بڑی فضیلت والی جنگ قرار دیا ہے۔ لہٰذا " غزوۂ ہند " کی اس پیشن گوئی کا ظہور منشائے رسول ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس لئے یہ پیشین گوئی بجز خلیفتہ اللہ کے کسی اور سے متعلق نہیں ہوسکتی۔ !!!

چونکہ امتِ محمدیہ میں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت بہ حیثیتِ خلیفتہ اللہ ، ضروریاتِ دین سے ہے اس لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے مہدیٔ موعودؑ کی علامات اور آپؑ کے مراتب و خصوصیات کی پیشن گوئیوں کے ساتھ ساتھ ، آپؑ کے دورِ ولایت میں ہونے والی مخصوص جنگ کی پیشین گوئی بھی فرمائی ہے۔ اسی لئے اس جنگ کے لئے " غزوہ " کا خاص لفظ یاد فرمایا گیا۔

فرامینِ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی روشنی میں اس حدیثِ شریف کے لفظِ " غزوہ " کی تفسیر مشکل نہ رہی۔ کیوں کہ آپؑ نے ہندوستان ہی میں حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے ہونے والی جس جنگ کی فتح کی پیشن گوئی فرمائی ، اس کو " جنگِ بدرِ نبوت کی فتح سے تشبیہ دی ہے جس کو غزوۂ فتحِ جنگِ بدر کی طرح اپنی صداقتِ مہدیت کا معجزہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا حضرت رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق " غزوۂ ہند " سے مراد وہی جنگ ہے جو حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے بہ حیثیتِ بدلِ ذاتِ مہدیٔ موعودؑ ظہور میں آئی۔ !!!

اس کے علاوہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی فضیلت اور شہادت پر صادق آنے والی اور بھی احادیثِ شریفہ ہیں ۔ چنانچہ حدیثِ ارطاۃ اور اس کے مماثل احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کے 20 سال بعد اہلِ بیت سے ایک شخص جو مہدیؑ کی سیرت پر ہوگا ہتیار سے شہید ہوگا۔

اور جس حدیث میں " قحطانی " کا ذکر ہے اس کی تفصیلی بحث کا یہ محل نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کتبِ احادیث (جن میں صحیحین بھی شامل ہیں) کی مندرجہ احادیث اور مشہور محدثین کی تحقیق کے مطابق یہی مذہب صحیح و معتبر ہے کہ امتِ محمدؐیہ کا آخری امیر جس کے زمانہ میں دجال خروج کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے ، اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرے گا وہ شخص ، " قحطانی " ہے " فاطمی " نہیں۔

اور جو شخص مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کا والی ہوگا اور مہدی علیہ السلام کی سیرت اور روش پر ہوگا اور 20 سال بعد قتیل بالسلاح یعنے ہتیار سے شہید ہوگا وہ اہلِ بیتِ نبی ﷺ سے فاطمی ہوگا۔!!!

اس کی تائید " نسائی " کی ایک اور حدیثِ شریف سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ :-

" حضرت ثوبان رضی اللہ عنہٗ حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت میں دو گروہ ہونگے اور اللہ اُن کو دوزخ سے بچائے گا۔ اُن میں سے ایک ہندوستان میں جنگ کرے گا اور دوسرا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (سنن نسائی جلد2/ صفحہ32)"

اس حدیثِ شریف سے ظاہر ہے کہ ایک گروہ ہندوستان میں جنگ کرے گا اور دوسرا گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریکِ جنگ رہے گا۔

حاصلِ کلام یہ کہ ان احادیثِ شریفہ سے بھی بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی نسبت سیرتِ مہدی علیہ السلام پر ہونے کی فضیلت اور آپؓ سے ہونے والی جنگ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر " غزوۂ ہند " کا اطلاق بھی ٹھیک مطابق ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت ہندوستان میں ہوگی۔ اور مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کا زمانہ و مقام ایک نہ ہوگا۔!!!

ان مختصر تصریحات سے ظاہر ہے کہ صحابۂ مہدیءِ موعود علیہ السلام کو جہاد بالقتال کی جس نوعیت سے بھی سابقہ ہوا ، احکامِ دین کی تعمیل میں مال ، اولاد ، جان ، اور عزت ، قربان کردینے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات کے طفیل ، جہادِ بالنفس اور جہادِ بالقتال دونوں نوعیتوں میں کمال حاصل تھا۔ " يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ " کی صفت کا ظہور بدرجۂ اتم تھا۔

مخفی مبادکہ حضرت مہدی علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی وحیِ بلاوسطہ کے پابند تھے۔ آپؑ کو جو حکم ہوتا تھا اس کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسروں کو تعمیل کا حکم دیتے تھے۔ کتابیں دیکھ کر عمل کرنا اور احکام بیان کرنا ، بہ حیثیت خلیفۃ اللہ ، آپؑ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اسی لئے اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں آپؑ معصوم عن الخطا تھے۔ اور اسی بنا پر آپؑ نے دعوئے مہدیت کی صداقت کی بنیادی دلیل ، " مذہبِ ما کتاب اللہ و اتباعِ محمد رسول اللہ " قرار دی۔ جو " یتلوہُ شاھدٌ منہُ " (اور قرآن اس کے پیچھے اس کا گواہ ہوگا) آئیہ شریفہ کے بالکل مطابق تھا۔ اور آپؑ نے صاف ارشاد فرمایا کہ :

ہر حکمے کہ بیان کنم از خدا و بامرِ خدا بیان می کنم یعنے میں جو حکم کہ بیان کرتا ہوں خدا کی طرف سے خدا کے حکم سے بیان کرتا ہوں۔ (انصاف نامہ)

نیز ارشاد فرمایا:- " مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ بلا واسطہ تعلیم ہوتی ہے۔" (عقیدۂ شریفہ)

اس لئے آپؑ جہاد بالقتال میں بھی خدائے تعالیٰ کے حکم کے پابند تھے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی تیرا (13) سال دشمنانِ دین کی طرف سے مصائب و آلام برداشت کئے۔ لیکن اپنے اختیار سے راہِ قتال اختیار نہیں کی۔ قتال کی آیات کے نزول کے بعد ہی آپؐ نے حسبِ احکامِ الٰہی جہاد بالقتال مدافعۃً اختیار کیا۔ لیکن تلوار کے زور سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر آپؐ نے مجبور نہیں کیا۔

اسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام کو بھی اگر جہاد بالقتال کے اسباب سے سابقہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو ضرور یقیناً آپؑ بھی جہاد بالقتال میں غلبۂ تامہ حاصل فرماتے۔ لیکن کسی کو اپنی اطاعت قبول کرنے اور مذہبِ مہدویہ اختیار کرنے کے لئے تلوار کے زور سے مجبور کرنا، آپؑ کا بھی کام نہیں تھا۔

آپؑ ابھی جونپور میں تھے، آپؑ نے دعوئے مہدیت نہیں کیا تھا لیکن آپؑ کے ولایت مآب ہونے کی شہرت ہوچکی تھی سلطان حسین شرقی والیِ مملکت جونپور بھی مطیع و معتقد ہوگئے تھے۔ اکثر مجلسِ وعظ میں شریک رہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مملکتِ جونپور میں ایسے آثار حضرت پر ظاہر ہوئے تھے کہ والیِ گوڑہ کا دولت اور افواج کی برتری کے زعم میں دباؤ بڑھتا جا رہا تھا صَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کی صورت پیدا ہوگئی تھی اس لئے آپؑ نے ایک دفعہ دورانِ وعظ ارشاد فرمایا کہ مسلمان حاکم کو مطیع الکفر نہیں رہنا چاہیئے۔ سلطان کے دل پر اس ارشاد کا گہرا اثر ہوا۔ والیِ گوڑہ کی برتری کا رعب دل سے نکل گیا۔ آخر جنگ کی نوبت آئی۔ ستر (70) ہزار کی جرار فوج سے مقابلہ تھا۔ سلطان کی افواج مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں اور قدم اکھڑ گئے۔ حضرت امام علیہ السلام اپنی مختصر جماعت کے ساتھ ایک طرف گھوڑوں پر ٹھیرے ہوئے تھے۔ سلطان نے عرض کروایا کہ آپ بھی میدان سے ہٹ جائیں لیکن آپؑ ٹھیرے رہے۔

والیِ گوڑہ نے آپؑ اور آپؑ کی جماعت کی استقامت دیکھی تو مست ہاتھی جس کی سونڈ میں بھاری آہنی زنجیر تھی، مقابلہ میں رکھ کر سخت حملہ کردیا۔ چونکہ آپؑ پر حملہ ہوچکا اس لئے آگے بڑھ کر اس زور سے تیر چلایا کہ تیر مستک (ہاتھی کا ماتھا) میں سوفار تک گڑھ گیا۔ ہاتھی نے منہ پھیر لیا اور والیِ گوڑہ ہی کی فوج کی تباہی و پراگندگی کا باعث ہوا۔ آخر خود اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر پھرتی سے تلوار کا وار کیا۔ تلوار آپؑ کے گھوڑے کی گردن پر پڑی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ پھر حضرتؑ نے ایسا وار چلایا کہ تلوار کاٹتی ہوئی والیِ گوڑہ کے سینے کے پار ہوگئی۔ دل باہر نکل پڑا۔
آپؑ کی حقیقت بین نگاہوں نے مقتول کے دل پر، بت پرستی کی تاثیر بصورت تصویر بت دیکھی۔ آپؑ نے فرمایا، باطل پرستی کی یہ تاثیر ہے تو حق پرستی کی تاثیر کا کیا عالم ہوگا۔ آپؑ مست و جاذب بحق ہوگئے۔ بارہ (12) سال جذبہ رہا۔ سات (7) سال تو ایسے گذرے کہ صرف نماز کے وقت ہوش آجاتا تھا۔

مقامِ غور ہے کہ دعوئے مہدیت سے قبل آپؑ کی باطنی قوت کا یہ عالم تھا کہ جرار فوج کو جس کے مقابلہ کی تاب سلطان حسین کی افواج نہ لاسکیں۔آپؑ نے شکستِ فاش دے دی۔ دعوئے مہدیت کے بعد آپؑ کی معجزانہ قوت کا جو حال ہوسکتا ہے اس کو خدائے قدیر ہی بہتر جان سکتا ہے۔ ہماری زبان و زبانِ قلم دونوں اس کے بیان سے عاجز ہیں۔

اس قدر معجزانہ قوت حاصل رہنے کے باوجود جب تک شرائطِ جہاد اور اسبابِ جہاد نہ پائے جائیں آپؑ پر حملہ نہ ہو اور مدافعت کے لئے آپؑ کو خدا کا حکم نہ ہو، بلا سبب از خود جہاد بالقتال کا اقدام کیسے کرسکتے تھے ؟

آپؑ نے دین کی اُسی طرح تبلیغ فرمائی جیسی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔آپؑ نے ارشاد فرمایا:۔

حجت دادن کارِ خدا وندیست حجت دہد یا نہ دہد بندہ را دریں چہ کار است برما تبلیغ فرض است۔
(نقلیاتِ میاں عبد الرشید رضی اللہ عنہٗ)

ترجمہ :۔ معجزہ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ معجزہ عطا کرے یا نہ کرے اس میں بندہ کو کیا دخل ہے۔ ہم پر تو صرف تبلیغ فرض ہے۔

حضرت مہدیِ موعود علیہ السلام کی بعثت " خَیْرُاُمَّۃٍ " کو یعنے امتِ محمد صلعم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ہوئی تھی۔اس لئے آپؑ کی دعوت کے اولین و راست مخاطب کلمہ گو ہی تھے۔اگر آپؑ سے یہ لوگ بھی برسرِ پیکار ہو جاتے اور فوج کشی ہوتی اور خدا کا حکم ہوتا تو مدافعت کے لئے ضرور جنگ فرماتے۔

جنگِ " بدر" اور " حنین " و " اُحد " کے معرکے اسی بات کے شاہد ہیں کہ دشمنانِ اسلام کی فوج کشی کے مقابلہ میں خدا کے حکم سے مدافعتہً جنگ کی گئی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جہاد بالسیف مدافعتہً کیا ہے۔اگر دشمنانِ اسلام درپئے جنگ نہ ہوتے تو آپؑ بھی جہاد بالقتال ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ایسا ہی موقع اور حکمِ الٰہی حضرت مہدی علیہ السلام کو جب تک نہ ہوتا آپؑ بھی جہادبالسیف کیسے اختیار فرماتے ! اس کے علاوہ کسی تاریخ سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں کہیں عَلَمِ جہاد بلند ہوا تھا ،آپؑ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔!!!

غرض یہ کہ آپؑ پر کسی طاقت نے حملہ کیا اور نہ اس کی مدافعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت ہوئی۔!!! اس لئے جہاد بالقتال کا وقوع بھی ہونے نہیں پایا۔

یہ واقعہ ہے کہ آپؑ کی جماعت میں کچھ نہ کچھ ہتیار ضرور رہا کرتے تھے۔ بعض موقعے ایسے آئے کہ آپؑ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ کی تیاری کی اجازت چاہی۔ آپؑ نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا کہ بندہ کسی کی رائے کا تابع نہیں ہوسکتا۔ صرف خدا کے حکم کا تابع ہے۔ چنانچہ :-

اکثر صحابۂ مہدی ءِ موعودؑ سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام خراسان تشریف لے گئے ، آپؑ نے شہرِ فراہ میں اقامت فرمائی۔ اور یہ کیفیت مشہور ہوئی کہ ایک سید آئے ہوئے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں مہدی ءِ موعود ہوں۔ اور خلق پر میری تصدیق ثابت و لازم ہے۔ اس شہر کے قاضی نے خاص طور پر کوتوال کو حکم دیا کہ جاؤ ، اس جماعت کے چھوٹے اور بڑوں کو جو کچھ بھی ان کا سامان ہو تاراج کر کے پکڑ لاؤ۔ کوتوال نے اپنے پولیس کے نوجوانوں کی کثیر جمعیت روانہ کی۔

جب پولس آئی اُس وقت مہدی علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہر تشریف فرما تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ کی تیاری کے لئے اجازت طلب کی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بندہ حضرتِ رب العالمین کے فرمان کا تابع ہے۔ کسی کی فکر بلکہ خود اپنی فکر کا تابع نہیں۔ اگر تم میری اتباع میں ہو اور میری تصدیق کرتے ہو تو صبر کرو۔ بالآخر جوانانِ پولیس نے فقراء کا اور اُن کے زنانہ حصہ کا پورا سامان تاراج کردیا۔ اس کے بعد مہدی علیہ السلام کے پاس آ کر انہوں نے تلوار و ہتیار طلب کئے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنی تلوار اپنے سے الگ کر کے حوالے کردی پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے ہتیار حوالے کردیئے۔ انہوں نے اپنے امامؑ کی پوری اتباع کی ۔ وہ لوگ تمام اسباب لے کر چلے گئے۔

اسی رات اس شہر کے حاکمِ اعلیٰ (سرور خاں) نے خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ تیری حکومت میں میرے فرزند پر کتنا ظلم ہوا ہے ؟ حاکم نے ہیبت کے عالم میں جواب دیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خبر نہیں علی الصبح تحقیق کرونگا ۔ اسی حال میں بیدار ہوا۔ کوتوال کو بلایا۔ اور خواب کا حال بیان کرکے پوچھا کہ کیا تو نے کوئی ایسا کام کیا ہے ؟ کوتوال نے قاضی

کا حکم اور ساری روئداد تفصیلاً پیش کردی۔

اس کے بعد اس حاکم نے قاضی کو طلب کرکے قید کروا دیا اور عہدۂ قضات سے برطرف کردیا۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کروایا کہ قاضی کے بارے میں آپ جو حکم دیں عمل کرونگا اور اپنے بعض علماء اور بعض منصفین کو عذر خواہی اور دعوئے مہدیت کی تحقیق کے لئے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور عرض کروایا کہ جو سامان تلف ہوا ہے اس کی فہرست دی جائے تاکہ دوگنا سامان بھیجدوں۔

ان لوگوں نے عذر خواہی کی اور تلف شدہ سامان کی فہرست طلب کی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہماری آن کا کچھ حصہ بھی تلف نہیں ہوا ہے۔ ہم بجز خدائے تعالٰی کے کچھ نہیں رکھتے۔ اور ہمارا خدا ہم سے چھوٹا نہیں ہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں نے چند علمی سوالات کئے حضرت مہدی علیہ السلام نے اُن کے جواب باصواب دیئے۔

ان لوگون نے واپس آ کر جو کچھ گزرا پورا پورا بیان کر دیا اور ایک شخص جو اُس جماعت میں بڑا عالم تھا، اس نے عرض کیا کہ میرا علم اُن سید صاحب کے علم کے مقابلہ میں قطرہ اور دریا کی نسبت رکھتا ہے۔

پس حاکم نے اپنے معتبر و محتشم و مہیب وزیر میر ذوالنون سے مشورہ کیا کہ دعویٰ تو بہت بڑا ہے کیا کرنا چاہیئے۔؟ اُس نے رائے دی کہ میں شوکت و قوت اور اسبابِ جنگ اور شاہی قہر و غلبہ کے ساتھ اُن کے پاس جاتا ہوں۔ اگر وہ تاب نہ لا سکیں اور میری طرف متوجہ ہو جائیں تو اُن کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اگر بے نیازی برتیں اور ہم پر اُن کا رعب حاوی ہوجائے اور ہمارے دل اُن کی طرف مائل ہوجائیں تو بے شک مہدیِ موعود ہیں۔ کیونکہ بجز مہدیِ موعود کے کوئی ایسی طاقت نہیں رکھتا۔

وزیر کا یہ مشورہ پسند آیا۔ اور اجازت دی کہ یہ تدابیر اختیار کرے۔ دوسری صبح وزیر نے یہی کیا۔ جب فوج کے باجوں کی آوازیں آنے لگیں اور مشہور ہوا کہ یہ لشکر قتل و تاراج کرنے کے لئے آرہا ہے۔ اور فقراء نے لشکر کا یہ دبدبہ دیکھا تو بعض فقراء حیرانی میں پڑگئے۔ اور ایک فقیر نے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر اطلاع دی کہ بادشاہ کی فوج آچکی ہے کیا تدبیر کی جائے؟ حضرت مہدی علیہ السلام نے ناراضی ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "بادشاہ تو ایک ہی ہے جس کا کوئی وزیر نہیں" اتنے میں

فوج آ ہی گئی"۔ الخ

اس کے بعد کا میر ذوالنون کا واقعہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ غرض اہلِ دربار اور اہلِ دنیا قاضی و علماء نے مسلم ممالک میں آپؑ کے لئے قید و قتل کے فتویٰ تو بہت جاری کئے لیکن کسی بھی بڑی سے بڑی طاقتور سلطنت کا بھی اس کی تکمیل کی جرائت نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ خراسان کی بہادر افواج اور وہاں کے بہادر عوام بھی آپؑ کی غیبی طاقت کے غلبہ کے مقابلہ میں عاجز رہے۔

آج کے افغانستان کو دیکھ کر پانچ سو سال قبل کے زمانہ کا تصور کیا جائے تو ہر سلیم الطبع شخص امامنا علیہ السلام کے اس اعجاز کو ضرور تسلیم کرے گا۔!! اس سے ہدایۃً ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوت آپؑ پر غلبہ حاصل نہیں کر سکی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے میر ذوالنون سے فرمانِ رسول ﷺ کا جو مطلب ارشاد فرمایا تھا کہ مہدی پر دنیا کی کوئی قوت غالب نہیں آئے گی۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات سے ثابت ہے کہ بلاشبہ پورا پورا صادق آیا۔

اکثر اوقات صرف آپؑ کی تاثیرِ نظر ہی سے بڑی سے بڑی قوت مغلوب ہو جاتی تھی۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں ۔ چنانچہ روایت ہے کہ :-

آپؑ مع قافلہ ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ ڈاکوؤں کا گروہ آپؑ کے قافلہ کو لوٹنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خطرناک آثار دیکھ کر خدمت میں عرض کیا کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو (دہشت زدہ صحابہؓ کی تسکین کے لئے) خود گھوڑے سے اتر کر تلوار اور سپر ہاتھ میں لئے ہوئے قافلہ کے آگے چلنے لگے۔ ڈاکوؤں کے گروہ نے (جو حملہ کرنے کی تیاری کر چکا تھا) آپؑ کی نظرِ مبارک پڑتے ہی راہِ فرار اختیار کی۔ آپؑ کا قافلہ امن و عافیت سے آگے بڑھ گیا۔

ایک طالبِ خدا پیچھے رہ گئے تھے ، ڈاکوؤں نے اُن کو روک کر دریافت کیا کہ یہ لشکر کس کا ہے جو اتنے ہاتھیوں ، گھوڑوں اور اسلحہ کے ساتھ گزر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کا ہے۔ ڈاکوؤں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ حضرتؑ کی خدمت میں پہنچ کر ڈاکوؤں کا بیان حیرت سے عرض کیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے سن کر جلال و عتاب سے ارشاد فرمایا کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے۔ بندگانِ خدا کو صرف خدا کی طلب میں رہنا چاہیئے۔

(نقلیاتِ میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہٗ)

اس واقعہ میں اہلِ نظر اور اہلِ دل لوگوں کے لئے آج بھی کئی باتیں تسکین و تشفی کے لایق موجود ہیں۔ خصوصاً روایت کا آخری حصہ جس میں آپؑ نے ظہور اعجاز کو اپنے لئے بڑائی و فخر کا سبب نہیں قرار دیا۔ طالبانِ خدا کو ہر حال و ہر آن ، ذکر اللہ میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی۔ تاکہ حصولِ لقائے رب کی شرائط کی تکمیل میں اور جہاد بالنفس کا فرض ادا کرنے میں کوئی عاشقِ خدا قاصر نہ رہنے پائے۔ انتہا درجہ خطرناک اور خوف و دہشت کے موقع پر بھی طالبانِ خدا میں آپؑ نے اللہ تعالٰی کی برتری کا احساس مستحکم کرنے اور اُسی کی ذات سے وابستگی قائم کرنے اور اس کی ذات پر کامل توکل کی ہدایت فرمائی ہے۔ نیز اس واقعہ سے آپؑ کو غیبی تائید جو حاصل تھی اس کا بھی ثبوت ہورہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؑ حضرت رحمۃ اللعالمین کی جیسی افضل الانبیاء ہستی کی ولایت کے خاتم تھے۔ اس لئے آپؑ کی " ذاتِ مقدس صفات" میں بھی رحمت اللعالمین کی خصوصیت کا ظہور ضروری تھا۔ اسی لئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے :-

فالمهدی رحمة الله كما كان النبی صلی الله علیه و سلم رحمة قال تعالٰی و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین و المهدی یقفوا اثری و لایخطی فلا بد ان یکون رحمة (الفتوحات المکیئه مطبوعه مصر 1293/ ہجری الجز الثالث صفحه 443)

ترجمہ :- مہدیٔ اللہ کی رحمت ہیں جیسا کہ نبی ﷺ اللہ کی رحمت تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے ہم نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین ہی بنا کر بھیجا ہے اور مہدیٔ آپؐ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ (حدیثِ شریف کے مطابق ضروری ہے کہ آپؑ بھی اللہ کی رحمت ہوں)

اسی لئے مہدیٔ موعود کی علامات میں آنحضرت صلعم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مہدی کے اخلاق ، آپؑ کے اخلاق کے مشابہ ہونگے

اس لئے مہدی علیہ السلام کے طریقِ تبلیغ میں بھی وہی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تھیں۔ بطورِ مثال چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

(1) روایت ہے کہ ایک عالم ، حضرت مہدی علیہ السلام سے (بطریق ضد) سوال و جواب کررہا تھا میاں شیخ بھیک رضی اللہ عنہٗ نے

اپنے حجرہ سے نکل کر عرض کیا، میرانجی !آپؐ کیوں سر خالی فرمارہے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے بندہ کو سر خالی کرنے کے لئے ہی بھیجا ہے۔!!!

(2) ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر حج کے موقع پر جہاز میں ایک عالم ، دیدارِ خدا کے بارے میں آپؐ سے سوال کرنا چاہتا تھا۔ آپؐ نے بغیر سوال کے از خود اس کی تشفی فرمائی۔ حدیثِ شریف موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کی تشریح کرکے تفہیم فرمائی۔ نیز ارشاد فرمایا ،" ہم کو دیدارِ یار ہی کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ ورنہ اور کیا کام ہے جس کے لئے بعثت کی ضرورت ہو۔"!!!

اس روایت کے آخری حصہ سے حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کی ضرورت و غایت صاف ظاہر ہورہی ہے۔ اس لئے آپؐ کی تعلیمات جہاد بالنفس ہی سے متعلق ہیں۔

(3) ایک روز بیانِ قرآن کی مجلس میں ایک شراب خوار جو مغرور و بد کار ، و مالدار تھا ، شوخیانہ انداز میں حضرت مہدی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ بعض صحابہؓ نے اس کو روکا لیکن اس نے ایک نہ سنی حضرتؑ کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہ نیت کر رکھی تھی کہ (شخصی تخاطب کے ساتھ) بیان سنے جس سے ممانعت علانیہ ظاہر ہو۔ جب وہ واپس ہوگیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے التماس کیا کہ شراب کے شیشہ کے ساتھ آیا تھا، اگر زبانِ مبارک سے منع فرمادیتے تو وہ باز آجاتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایاکہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے لئے بھیجا ہے۔ منعِ صریح (یعنے شخصی تخاطب سے منع کرنے) کے لئے نہیں بھیجا۔ جو شخص بیانِ کلام اللہ سن کر نصیحت حاصل نہیں کرتا ہے اس کے لئے منع صریح سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔
یہ بات اُس شراب خوار تک پہنچی تو اُس نے کہا اگر حضرتؑ زبانِ مبارک سے مجھے منع کرینگے تو باز آجاؤں گا۔ تین بار اسی طرح مجلسِ بیانِ قرآن میں حاضر ہونے کی ضد و جسارت کی آخر اس کے پیٹ میں شدید درد ہونے گا۔ جان جانے کی نوبت آگئی ۔ اسی حالتِ اضطرار میں حاضرِ خدمت ہوکر اپنی رسوا کن غلطی کا اعتراف کیا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: بھائی ! اللہ تعالیٰ کے بے نیاز دربار میں اس قدر سرکشی نہیں کرنی چاہیئے۔ آپؐ نے پسخوردہ (اُلش) کا پانی پلایا۔ درد دفع ہوگیا اور خالص توبہ کی اور تلقینِ ذکر اللہ حاصل کرکے آپؐ کی صحبتِ فیض درجت میں رہ گیا۔

(نقلیاتِ میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہ ملحضاً)

اس روایت سے آپؐ کے طریق تبلیغ، موعظۂ حسنہ اور رشد و ہدایت کے بنیادی اصول واضح ہورہے ہیں۔ احادیث شریفہ میں بھی ایسی کئی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ اس سے قبل ایک حدیثِ شریف پیش کی جاچکی ہے جس میں ایک بدوی کا مسجد نبویؐ میں پیشاب کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ جس قوم کی صفت بیان ہوئی ہے۔ اس کی پہلی صفت یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ ہے یعنے مہدیؑ، ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت رکھے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت رکھے گی۔ اس لئے:-

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ کی بنیادی خصوصیت یہی ہونی چاہیئے کی وہ قوم "جہاد بالنفس" میں درجۂ کمال کو پہنچے، اس کے بغیر محبت کی خصوصیت بدرجۂ اتم حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ لقائے رب ممکن ہوسکتا ہے۔

قرآنِ مجید کے اس اشارۃ النص کا صاف نتیجہ یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام کی علامات میں ایک اہم علامت یہ ہے کہ وہ جہاد بالنفس کی ایسی تعلیم دینگے جس کے طفیل انسان کا مقصدِ پیدائش عبادات اور مقصدِ زندگی حاصل ہو۔ اور وہ اشرف المخلوقات ہونے کا صحیح مصداق بن سکے۔ انسان پر اشرف المخلوقات کا لقب اپنے مفہومِ تام کے ساتھ اُسی وقت صادق آسکتا ہے جب کہ فرشتوں کے شرفِ قربِ الٰہی پر بھی اشرف درجہ حاصل کرے۔

ختم شد